آدم خور
-/15/-

جاسوسی دائرہ سیریز

آدم خور

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

نچی ہوئی لاش

ایس ۔ایس ۔ عالمگیر سمندر کے پرسکون لہروں پر اس طرح بہہ رہا تھا جیسے موجِ آب پر ایک شیر تھک کر سویا ہوا ہے۔ مطلع صاف تھا اور بھرپور چاندنی رات حدِنظر تک پھیلے ہوئے سمندر کی لامحدود سطح پر جھکے ہوئے آسمان کے ساتھ چھائی ہوئی تھی ۔رقصاں موجوں میں کبھی چاندی جھلکنے لگتی اور کبھی سونا ۔رات زیادہ نہیں ہوئی تھی، پھر بھی جہاز کے دستور کے مطابق ۱۰ بجے سے جہاز کے عرشے کے اسٹاف کے علاوہ تمام لوگ اپنی اپنی کیبن میں چلے جاتے تھے، اس وجہ سے اس وقت بھی عرشے پر سناٹا تھا،صرف سگنل لائٹس کی مدھم روشنیاں دور سے اس طرح جھلملا رہی تھیں، جیسے بہت سے جھونپڑوں میں چراغ جل رہے ہوں ۔زمین سے دور بحرِ ذخار کی وسعتوں پر ایک لطیف اور کیف آور سکوت طاری تھا، جس میں کبھی کبھی لہروں کی تڑپ یا کسی سمندری مچھلی کا غوطہ تڑپ تڑپ کا شور پیدا کر دیتا اور بے لگام بہتی ہوئی ٹھنڈی ہواؤں کے دوش پر لہروں کا یہ ترنم دور دور تک چاندنی کے ساز سے نکلے ہوئے نغمے کی طرح پھیل جاتا ۔

کپتان اشرف اس وقت عرشے پر نہ جانے کس موڈ میں ٹہل رہا تھا۔اس کی عادت تھی کہ وطن سے دور اسے جب اپنے بیوی بچے یاد آنے لگتے تو وہ تنہائی میں گھنٹوں ادھر اسے ادھر ٹہلتا رہتا، خاص کر اسے اپنی خوبصورت بیوی اور ننھی بچی کی یاد بہت ستایا کرتی تھی اور یہ بھی کوئی زندگی تھی کہ وہ دو سال سمندر کے سینے پر گھومتے گھومتے گزر جاتے تھے،مگر گھر کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا تھا ۔پھر بھی یہ عمیق و عظیم سمندر اس کا روح پرور سکوت اس کی بے پناہ وسعتیں، یہ تاروں کے قافلے، بادلوں کی فوجیں اور ایس ایس عالمگیر میں سمائی ہوئی مسافروں کی ایک چھوٹی سی بستی، اس کے اپنے ساتھی اور شب و روز جہاز کو رواں دواں رکھنے کے ان کے اپنے

Akram Allahabadi

فرائض، یہ سب چیزیں اس کی زندگی میں رچ کر رہ گئی تھیں۔ان سے علیحدہ اس کی کوئی زندگی بھی تو نہ تھی۔اسے سمندر اور اس کی رومانی وسعتوں سے محبت سے ہو گئی تھی۔

ایس ایس عالمگیر ۵۰ ہزار ٹن وزنی جہاز تھا اور اس میں بیک وقت تین ہزار مسافر سفر کر سکتے تھے۔ یہ ایک خالص سفری جہاز تھا جس پر محض کسی اتفاقی دفاع کیلیے صرف دو ایئر کرافٹ گنز نصب تھیں اور عملے کی پولیس مسلح رہتی تھی۔عالمگیر کے عرشے پر چھوٹی چھوٹی تفریح گاہیں بھی تھیں جہاں مسافروں کی نشست کیلیے بینچیں رکھی رہتی تھیں۔کیبن درجہ وار تقسیم تھے۔ جہاز پر ہی مسافروں کی تفریح طبع کیلیے دو کلب تھے۔ایک چھوٹا سا سینما ہال تھا جس میں سنگل پروجیکٹر پر مختلف قسم کی پرانی فلمیں وقتاً فوقتاً دکھائی جایا کرتی تھیں۔کیبنوں کی ہر منزل کے ساتھ ایک بڑا کینٹین تھا، جس میں فولادی کرسیاں اور میزیں باقاعدگی سے موجود رہتیں اور اندر بیٹھنے کے بعد بہت کم یہ محسوس ہو پاتا کہ آدمی اپنی زمین کی دنیا سے دور سمندر پر سفر کر رہا ہے۔

لائف بوٹس دونوں سمت وِنچ (winch) کی رسیوں سے ٹنگی ہوئی تھیں اور پورا چاند سر پر ہونے کی وجہ سے جہاز کا سایہ پانی پر مختصر ہو کر پڑ رہا تھا۔آس پاس اور دور تک چاندنی کے عکس سے لہریں جھلمل جھلمل کر رہی تھیں اور کپتان ان لہروں کے نہ ختم ہونے والے ترنم میں کھویا ہوا نیچے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''بارہ بج رہے ہیں، آپ کیا آرام نہیں کریں گے آج؟'' سامنے سے گزرتے ہوئے سگنلر نے رک کر اسے سلام کرتے ہوئے پوچھا۔

''ذرا لطف آ رہا ہے اس چاندنی میں۔'' کپتان اس کی طرف دیکھے بغیر آسمان پر بہتے ہوئے چاند کو گھور کر بولا۔

''کل ہم دوپہر کو خلیج فارس کی بندرگاہ ہمدان پہنچ جائیں گے۔'' وہ کہنے لگا۔

''ہُم۔'' کپتان نے مختصر سا جواب دیا۔

''وہاں سے روانگی تو پرسوں ہی ہوگی۔اگر آپ اجازت دیں تو میں کل یہ شہر گھوم

لوں؟'' سگنلر نے پوچھا۔

''تمہاری وجہ سے دوسروں کو بھی یہی رعایت دینی پڑے گی۔ بہر حال کل سوچا جائے گا۔'' کپتان یہ کہہ کر خاموش ہوگیا اور سگنلر اظہارِ ادب کر کے چلا گیا۔ کپتان پھر اپنے خیالوں میں کھوگیا۔ رات کا سکوت اور گہرا ہوتا جارہا تھا اور چاندنی اور نکھرتی جارہی تھی۔ وہ نہ جانے کب تک وہیں کھڑا رہا، لیکن اچانک کچھ شور سا سن کر وہ چونک پڑا۔ کوئی چیز پانی میں گری تھی شاید، کسی قدر وزنی کوئی چیز۔ وہ عرشے پر دور تک ٹہل کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ آبزرویٹری کا انچارج بیٹھے بیٹھے اونگھ گیا تھا، مگر کپتان کے قدموں کی چاپ پر چونک پڑا۔

''تم نے سنا کوئی وزنی چیز سمندر میں گری ہے؟'' کپتان بولا۔

''کوئی چیز؟ ایسی کیا بات ہوگی بھلا، ممکن ہے کوئی سمندری مچھلی تڑپی ہو۔'' اس نے رائے دی۔

''ہاں، ممکن ہے۔'' یہ کہہ کر کپتان پھر ٹہلنے لگا۔ چاروں طرف گھوم ڈالنے کے باوجود اس کے اس شبے کو تقویت پہنچانے کیلیے کوئی ایسا جواز نہ ملا جو جہاز پر سے کسی چیز کا سمندر میں گرنا ظاہر کرتا، اس لیے وہ اسے کسی سمندری مچھلی کی تڑپ سمجھ کر ہی خاموش ہورہا۔

رات زیادہ ڈھلنے پر سمندر کی خنک ہواؤں نے اسے تفریح ختم کرنے پر مجبور کردیا اور اپنے اوورکوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ ٹہلتا ہوا اپنی قیام گاہ کی طرف چل دیا۔ اور جہاز عالمگیر اپنی رفتار سے اپنی منزل کی طرف آگے بڑھتا رہا۔

صبح جب کپتان کی آنکھ کھلی اور حسبِ معمول وہ چائے، انڈے، مکھن اور بسکٹ سے ہلکا سا ناشتہ کرنے کے بعد راؤنڈ لینے کے بعد عرشے پر آیا تو یہ دیکھ کر اس کے چہرے پر ناخوشگوار سے تاثرات پیدا ہوگئے کہ بہت سے ملاح کام چھوڑ کر ایک ہی جگہ عرشے پر بھیڑ لگائے ہوئے ہیں اور وہ اسی موڈ میں ٹہلتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ وہ لوگ جھکے ہوئے نیچے پانی میں کچھ دیکھ رہے تھے۔

Akram Allahabadi

''کیا کوئی سمندری ہاتھی نکلا ہے؟'' کپتان نے اپنے ایک اسسٹنٹ کوٹو کا بھی۔ وہ، ''بھئی وہ لاش ہے کسی کی۔''، یہ کہتا ہوا وہ پیچھے ہٹ گیا۔

''لاش؟'' کپتان نے حیرت سے دہرایا۔''اس جہاز والوں میں سے ہی کسی کی ہوسکتی ہے۔'' یہ کہتا ہوا وہ عرشے کے گرد لگی ہوئی فولادی فینسنگ پر جا کر جھک گیا، مگر نیچے کا منظر دیکھ کر اس نے آنکھیں بھینچ لیں۔ نیچے ایک ہک سے کسی کی بہتی ہوئی لاش الجھی ہوئی تھی، جو بے ترتیبی سے جگہ جگہ سے کٹی ہوئی تھی۔ کئی حصوں کا گوشت غائب تھا اور چہرے کو بھی پہچانا نہیں جا سکتا تھا، اس لیے کہ چہرے کا بہت سا حصہ بھی غائب تھا۔ یہ لوگ اسے حیرتناک نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

''کسی نے کود کر خودکشی تو نہیں کر لی ہے؟'' ایک مسافر نے کہا۔

''یہ کیسے ممکن ہے، پھر اسے تو یہاں سے دور ڈوب کر مرنا تھا۔'' پاس کھڑے ہوئے ایک اوسط قد و قامت کے گورے چٹے آدمی نے کہا۔ وہ مسافروں میں سے ہی کوئی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے بدن پر ہلکی موٹائی کا گھٹنوں تک اوورکوٹ پہن رکھا تھا اور دونوں کانوں میں روئی ٹھسی ہوئی تھی۔ وہ حلیے سے کوئی آرٹسٹ معلوم ہوتا تھا اور اس کا تجربہ بھی کسی قدر آرٹسٹ تھا۔ آنکھوں پر اس نے ایک نرم و نازک سنہری فریم والا چشمہ چڑھا رکھا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں بھورے رنگ کے دستانے تھے۔ اس کی ناک پتلی اور نوکدار تھی، لیکن مونچھیں گھنی اور سنہری مائل تھیں اور ہونٹ سکڑے ہوئے۔ کپتان اس کی طرف ایک نظر دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لاش ہک میں کیسے اٹک گئی۔ شاید پہلے سے سمندر میں نہ بہہ رہی ہو۔''

''پہلے اسے اوپر تو اٹھوایئے، زیادہ ممکن ہے کہ اسی جہاز کے مسافروں میں سے ہی کوئی بدنصیب ہو۔'' اس شخص نے جواب دیا۔ اتنے میں ایک دوسرا چھریرے بدن کا کسی قدر مسخری شکل کا آدمی اس کے نزدیک آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سر پر اسپوٹس مین پی کیپ پہن

رکھی تھی، جس میں سہ رنگی پٹیاں تھیں۔اس کی قلمیں کسی پرانے فرانسیسی ایکٹر کی طرح کانوں کی لو تک پہنچی ہوئی تھیں۔ناک کسی قدر موٹی اور بھدی اور آنکھیں ذرا چھوٹی چھوٹی تھیں، جو آنکھوں پر چڑھے ہوئے سیاہ چشمے کے شیشوں میں سے بھی نظر آتی تھیں۔اس کے ایک ہاتھ میں ایک نازک سی اوپر کی طرف گھومی ہوئی چھڑی تھی اور دوسرے ہاتھ میں پائپ۔اس نے ٹخنوں سے کچھ اونچا بھاری اوورکوٹ پہن رکھا تھا۔اس کی مونچھیں اوپری ہونٹ کے وسط میں پاس پاس بیٹھی ہوئی دو مکھیاں معلوم ہوتی تھیں۔وہ ایک پیر سے لنگڑا کر چلتا تھا۔

کپتان کے اشارے پر دو کانٹے رسیوں کے ساتھ ڈال کر اس لاش کو اوپر کھینچا گیا تو وہ نچلے باری کے کانٹے سے نکل کر اوپر اٹھ آئی۔اسے عرشے پر ایک کونے میں ڈال دیا گیا۔ لاش میں اب خفیف سا تعفن تھا۔اس کے سر پر سرخی مائل سیاہ اور ملائم بال تھے۔وہ کوئی ایسی عورت تھی جو کندھوں تک بکھر جانے والے بال رکھتی تھی۔اس کی چھاتی اور بازوؤں کا گوشت کٹا ہوا تھا۔لاش عریاں تھی، اس لیے اس کے نچلے حصے پر فوراً ہی ایک ٹاٹ ڈل دیا گیا تھا۔لیکن اس کی رانوں کا گوشت دو تین جگہ کا کٹا ہوا تھا اور پنڈلیوں کا بھی۔اس کے رخساروں کا گوشت غائب ہونے پر جبڑے کی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں اور اس کے بقیہ جسم جگہ جگہ سے نچے معلوم ہوتے تھے۔اطلاع ملتے ہی جہازی پولیس اسکواڈ کا انسپکٹر بھی موقع پر آ پہنچا تھا۔

''کس بیدردی سے مارا گیا ہے غریب کو۔'' وہ آئرش قسم کا آدمی بڑبڑا اٹھا۔سب چونک پر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''کیا کہا، مارا گیا ہے؟'' ایک بوڑھے مسافر نے حیرت سے منہ کھول کر پوچھا۔

''جی نہیں، پیار کیا گیا ہے، تھپک تھپک کر۔'' بغل سے وہ لمبے اوورکوٹ والا مسخری شکل کا آدمی بول اٹھا۔

''معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ اسے بڑی بیدردی سے قتل کر کے رات کے سناٹے میں نیچے پھینکا گیا ہے۔یہ ہمارے ہی جہاز کی کوئی مسافر عورت ہے۔'' انسپکٹر نے بھی اس رائے

سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

''میرا تو خیال ہے کہ اسے جب سمندر میں پھینکا گیا ہوگا تو کچھ نہ کچھ شور ضرور ہوا ہوگا۔'' اس آئرش نما آدمی نے انسپکٹر اور کپتان کی طرف رخ کر کے دبے لہجے میں کہا۔

''شور؟'' کپتان چونک پڑا۔ اسے رات کا واقعہ یاد آ گیا۔

''رات کو تقریباً ڈیڑھ بجے میں نے کسی چیز کے پانی میں گرنے کی آواز سنی تھی، لیکن سگنلر نے کہا شاید کوئی سمندری مچھلی تڑپی ہوگی، اس لیے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا گیا۔'' کپتان نے انھیں بتایا۔

''یقیناً یہی بدنصیب عورت ہوگی، لیکن تعجب ہے کہ ابھی تک جہاز کے کسی مسافر نے کسی کی گمشدگی کی اطلاع نہیں ملی۔ وہ اکیلی تو اتنا بڑا سفر نہ کر رہی ہوگی؟'' انسپکٹر نے رائے دی۔

لیکن اسی وقت پیچھے سے ایک شور سا سنائی دیا۔ لوگ ادھر ادھر ہٹنے لگے۔ ایک ادھیڑ عمر کا کسی قدر دبی رنگت کا آدمی بے تحاشا چیختا چلاتا آ رہا تھا۔

''میری بیوی، میری ہیگنس، ارے وہ کہاں گئی؟ کوئی بتاؤ مجھے وہ کہاں گئی؟'' اور پھر وہ بھیڑ کو چیرتا ہوا اس لاش پر آ گرا۔ وہ اس کے ایک ہاتھ کو ٹٹولنے لگا، جس میں انگلی پر ایک سرخ نگ کی انگوٹھی پڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ ''میری وفادار ہیگنس۔'' کہتا ہوا بلک کر رو پڑا۔ دو چار آدمیوں نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔ خود انسپکٹر اس کے نزدیک آ کر تسلی دینے لگا، لیکن اس کی ہچکیاں لگ گئی تھیں۔

''لیکن اس کی موت ہوئی کیسے؟'' کسی دوسرے نے پھر سوال کیا۔ اور لوگ ایک بار پھر خاموشی سے سوچنے لگے۔

''کیا آپ سے ان کا کوئی جھگڑا ہوا تھا؟'' انسپکٹر نے اس شخص سے پوچھا۔

''کبھی نہیں۔ وہ بہت وفادار تھی۔ وہ مجھ سے کبھی نہیں جھگڑی۔'' ادھیڑ عمر آدمی نے

سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

''یہ آپ کو یقین ہے کہ یہ آپ کی بیوی ہے؟'' انسپکٹر کا دوسرا سوال تھا۔

''میں اپنی بیوی کو نہ پہچانوں گا بھلا۔'' وہ پاگلوں کی طرح گھوم کر بولا۔ ''دیکھتے نہیں، اس کی انگلی میں وہ انگوٹھی پڑی ہے جو میں نے چار سال پہلے اسے شادی کے موقع پر پہنائی تھی۔ ہائے، اب وہ مجھے کہاں ملے گی، میری پیاری ہیگنس۔'' یہ کہہ کر وہ پھر رونے والی پیشہ ور مصری عورتوں کی طرح دھاڑیں مارنے لگا۔

''صبر کرو، سینور، صبر کرو۔'' پشت سے ایک بھاری آواز آئی۔

انسپکٹر اور دوسرے آدمیوں نے پلٹ کر دیکھا، ایک قد آور اور با رعب قسم کا زرد رو آدمی جس کے چہرے کے نقوش اس کی شخصیت کو با اثر بنا رہے تھے، ایک کتھئی رنگ کے اوور کوٹ میں ملبوس پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی مونچھیں گھنی اور داڑھی فرنچ کٹ تھی۔ وہ اس ادھیڑ عمر آدمی کی پیٹھ تھپکنے لگا۔

''بات بڑی افسوسناک ہے، مگر صبر و ہمت سے کام لو۔'' یہ کہہ کر اس نے بازو پکڑ کر اسے لاش کے پاس سے ہٹا دیا۔

''کل وہ کس مزے سے ہمارے ساتھ بیٹھ کر شام کی چائے پی رہی تھی، ڈاکٹر، وہ کل کتنی خوش تھی، مگر، آہ، آج تو اس کا چہرہ بھی نظر نہیں آتا، بے رحم مچھلیوں نے اس کی لاش کو نوچ ڈالا ہے۔'' وہ شخص ڈاکٹر کے اوور کوٹ کے کالر میں بچوں کی طرح منہ چھپا کر سسکنے لگا۔

''واقعی وہ بڑی اچھی عورت تھی۔ خدا جانے کیوں اس نے خودکشی کی ہے۔'' ڈاکٹر نے اس کے کندھے تھام کر افسوسناک لہجے میں کہا۔

''یہی تو ظلم ہے، ڈاکٹر، یہی تو ظلم ہے کہ اس نے مجھ سے اپنا غم نہیں بتایا جس نے اسے جان دینے پر مجبور کر دیا۔ اور خدا جانے کسی بے رحم نے اسے قتل ہی کر دیا ہو۔'' ادھیڑ عمر آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑانے لگا۔ لیکن قتل کے لفظ پر ڈاکٹر کو جیسے کچھ شاک سا لگ گیا۔

Akram Allahabadi

''ایسا نہ کہو،لوناڈو، دکھ ہوتا ہے کہ کون درندہ صفت ایسی معصوم اور خوبصورت عورت کو قتل کرسکتا ہے۔'' وہ سمجھاتے ہوئے بولا۔

اس کے اس بے ربط جملے پر وہ آئرش نما آدمی اسے قریب سے گھورنے لگا۔ڈاکٹر کے رعبیلے چہرے پر اس کی بڑی بڑی آنکھیں سرخ معلوم ہورہی تھیں، جیسے ان میں خون چھلکا ہو،یا جیسے وہ رات دیر سے سویا ہو،یا شاید رات بھر نہ سویا ہو۔

''اس لاش کو ہمدان میں ڈسپوز کیا جائے گا۔اس سے پہلے ہم کو تحقیق کرلینی چاہیے۔اسے سردست آپ میرے حوالے کردیجیے۔'' انسپکٹر نے کپتان سے کہا۔''مجھے یہ قتل کا ہی کیس معلوم ہوتا ہے۔''

''صریحاً قتل کا کیس ہے، دیکھتے نہیں اس کی لاش پر سے جگہ جگہ گوشت اس طرح غائب ہے جیسے کسی دھاردار چیز سے کاٹ کر نکالا گیا ہو۔'' وہ آئرش آدمی پھر بیچ میں بول پڑا۔ جس پر انسپکٹر اس کی طرف متوجہ ہوکر اسے عجیب سی نظروں سے گھورنے لگا۔

''چلیے یہاں سے،سنیور۔ہمیں کسی کے پھٹے میں ٹانگ دینے کی کیا ضرورت ہے۔'' اس کے لمبے اوورکوٹ والے ساتھی نے اس کی بغل میں ہاتھ دے کر اسے پیچھے کی طرف کھینچا۔

''تو چلو،ہمیں کیا۔'' یہ کہہ کر وہ بھی ساتھ ہولیا۔

لاش کو اس جگہ سے پولیس اسکواڈ کے ایک رنائرنگ روم میں رکھی ہوئی میز پر منتقل کردیا گیا۔وہ فرنچ کٹ داڑھی والا قد آور ڈاکٹر لوناڈو کو بازوؤں سے تھام کر اپنے ساتھ لے گیا۔تمام مسافروں پر ایک عجیب سا سناٹا تھا۔بعض لوگوں کے بیانات سے یہ پتہ چلا کہ یہ لڑکی جو اس ادھیڑ عمر مرد،لوناڈو کی بیوی تھی، آخری بار گزشتہ شب ریکریشن سنٹر میں اپنے شوہر لوناڈو اور اطالوی ڈاکٹر بیرٹ کے ساتھ دیکھی گئی تھی۔اس کے بعد وہ تینوں ۱۰ بجے اٹھ کر اپنے کیبن کی طرف چلے گئے۔ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ وہ ہر موسم میں جلدی سونے کا عادی ہے،اس لیے وہ ۱۰ بجے

ہی لونا ڈو سے رخصت ہوکر اپنی کیبن میں جا کر سوگیا تھا اور لونا ڈو کا بیان تھا کہ وہ اور اس کی بیوی رات ایک ہی ساتھ سوئے تھے، صرف ان کے بیڈ الگ الگ تھی، کیونکہ وہ دونوں زیادہ تر علیحدہ علیحدہ سونے کے ہی عادی تھے۔ صبح جب آنکھ کھلی اس وقت لونا ڈو کو محسوس ہوا کہ اس کی بیوی غائب ہے اور باہر نکلتے ہی اس نے کسی لاش کے ملنے کی خبر سنی۔ دیکھنے والوں اور خود لونا ڈو اور ڈاکٹر کے بیان کے مطابق وہ کسی اور سے ملتی بھی نہ تھی۔ البتہ صرف ایک بار اس نے اس آئرش کے ساتھ بال روم میں رقص کیا تھا، اس سے زیادہ کسی کو کچھ علم نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مشکوک اجنبی

پولیس اسکواڈ کا انسپکٹر اپنے آفس میں پہنچ کر دیر تک کپتان سے تبالۂ خیالات کرتا رہا۔ کپتان سیدھا سادا اور گم گو آدمی تھا۔ وہ اس سلسلے میں زیادہ مشورہ نہ دے سکا اور اس نے تمام تر تفتیش انسپکٹر کے ہی سپرد چھوڑ دی۔

انسپکٹر نے کچھ دیر بعد اس کیبن میں جا کر معائنہ کیا جہاں مقتولہ مسز ہیگنس مقیم تھیں۔ اس نے دیکھا ادھیڑ عمر لوناڈو ایک کرسی پر بیٹھا اپنی بیوی کے خالی بستر کو دیکھ کر رو رہا ہے اور ڈاکٹر بیرٹ اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ انسپکٹر خود بھی لوناڈو کی کیفیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور ہمدردی سے اس کے کندھے تھپکتا ہوا اس کیبن کا جائزہ لینے لگا۔ کیبن میں سمندری ہوا اور روشنی اندر لینے کیلیے قدِ آدم اونچائی پر دو گول روشندان بنے تھے، جن میں سے باہر حدِ نظر تک پھیلا ہوا سمندر صاف موجیں مارتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے محدب عدسہ نکال کر کیبن کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا اور ان روشندانوں پر کسی قسم کے نشانات ملنے کے امکانی پہلو کا بھی اس نے بغور مطالعہ کیا، لیکن وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ان روشندانوں کے ذریعے ایک انسانی جسم کو آسانی سے باہر دوسری طرف نکالا جا سکتا تھا۔ اس کے باوجود اس طرف سے پھینکی جانے والی چیز کا اس طرف گرنے کا کوئی امکان ہی نہ تھا، جدھر لاش دستیاب ہوئی تھی۔ وہ تو مخالف سمت تھی۔ پھر وہ باہر آ کر دوسرے امکانی پہلوؤں کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے لوناڈو سے پوچھا۔

''سوتے وقت کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا نا؟''

''مجھے ٹھیک سے یاد نہیں، لیکن گمان غالب یہی ہے کہ بند کر لیا تھا۔'' انسپکٹر نے دروازے کے پٹ اور نچلا فرش دیکھا۔ اس پر قدموں کے نشانات دیکھنے کی کوشش کی، لیکن کسی طرح بھی وہ کوئی قابلِ ذکر معلومات حاصل نہ کر سکا۔ مسز ہیگنس کا قتل ایک اسرار بن گیا تھا اور

پولیس اسکواڈ کے عملے کی ہر امکانی کوشش کے باوجود اس قدر بھی معلوم نہ ہوسکا کہ لاش کو کہاں سے اور کس طرح پھینکا گیا ہوگا۔ قتل کہاں عمل میں لایا گیا ہوگا اور قاتل کون اور کیوں ہوسکتا ہے۔ ہیگنس لوناڈو کی دی ہوئی تصویر کے مطابق خوبصورت اور خدوخال کی ایک تندرست اور جوان عورت تھی۔ اس کا جسم سڈول اور پرکشش تھا، لیکن وہ کافی جذباتی ہونے کے ساتھ ساتھ محتاط اور کم گو عورت تھی۔ جہاز پر یوں تو قریب کی کیبنوں کے لوگ اس سے متاثر تھے، لیکن انھیں اس کے خوش اخلاق تبسم سے زیادہ کچھ نہ ملا تھا۔ اور اگر کسی رشک یا حسد، یا کسی جذباتی وحشت کو اس قتل کا سبب بھی فرض کرلیا جاتا تو یہ سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ اس کے جسم سے گوشت کی بوٹیاں کیوں کاٹی گئی ہیں۔

تقریباً ۱۲ بجے دوپہر تک عرشے پر پھر سناٹا چھا گیا۔ سوائے عملے کے آدمیوں کی نقل وحرکت اور وقتی احتیاط کیلیے لگائے گئے پولیس اسکواڈ کے چند گشتی آدمیوں کے عرشے پر اور کوئی نہ تھا۔ ارشن ریفریشمنٹ بار سے نکل کر وہ آرٹش اور اس کا وہ لمبے اوورکوٹ والا دوست، جس نے اس وقت صرف ایک ٹرکش اسٹائل لمبا سرج کا کوٹ پہنا ہوا تھا، عرشے کی طرف ٹہلتے چلنے لگے۔ وہ آپس میں کچھ بے تکلفانہ گفتگو کررہے تھے، جس کے درمیان وہ بار بار مسکراتے جاتے اور ایک آدھ نظر ادھر ادھر بھی ڈال لیتے۔ پولیس اسکواڈ کا ایک سادہ لباس آدمی ڈک پر ٹہلتے ٹہلتے انھیں گھورنے لگا۔ لیکن وہ اس کے قریب سے لاپرواہی سے گفتگو کرتے ہوئے گزر گئے۔

آرٹش نما آدمی کہہ رہا تھا۔

"مچھلی کباب مجھے تو قطعی پسند نہیں۔"

"تو اور کیا آپ کو آدمی کے کباب چاہئیں۔" دوسرے نے کہا۔

"ہشت، کیا تم نے مجھے آدم خور سمجھا ہے مسز ہیگنس کے قاتل کی طرح۔"

"کیا مطلب؟ کیا آپ کے خیال میں کوئی آدم خوری بھی کرسکتا ہے؟" دوسرا ساتھی حیرت سے پوچھنے لگا۔ "کیا مسز ہیگنس..." وہ کہتے کہتے رک گیا، کیونکہ اسے محسوس ہوا

کہ کوئی ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ وہ پولیس اسکواڈ کا آدمی تھا۔

''ارے بھائی، میں تو مذاقاً کہہ رہا ہوں، کیونکہ اس کے جسم سے جگہ جگہ گوشت کاٹ کا نکالا گیا ہے نا۔'' پہلے والا کسی قدر مدھم آواز میں بولا۔

''یہ سمندر کی مچھلیاں فٹ بال تو ضرور کھیلتی ہوں گی؟'' دوسرے ساتھی نے تعاقب کو قریب محسوس کر کے بات کا رخ پلٹ دیا۔

''جی ہاں، وہ بین الاقوامی چمپئن شپ جیت چکی ہیں۔'' پہلے نے کسی قدر جل کر کہا۔ جس پر دوسرے ساتھی نے آہستہ سے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

بھئی، مجھے تو عرشے پر ٹہلتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے علاؤالدین اپنی جادو کی شطرنجی پر اڑ رہا ہے۔'' اس نے غیر مربوط جملہ ادا کیا۔

''ابھی کیا ہے، کچھ دیر میں آپ چراغ کے جن پر سوار ہو کر اڑنے لگیں گے۔ کیا تاریخی روم میں سب افیونچی بستے ہیں؟'' پہلے آدمی کے لہجے میں مزاح کے ساتھ ساتھ طنز بھی شامل تھا۔

''وہ پھر بھی آئرلینڈ کے الّوؤں سے بہتر ہی ہوتے ہیں۔'' دوسرا سنجیدہ ہو گیا۔

''خیر خیر، کوئی مذاکرہ نہیں، صرف میرے باپ کا باپ آئرش تھا، ورنہ میں تو ایک سو دو فیصدی ہندوستانی واقع ہوا ہوں۔'' پہلے آدمی نے وضاحت کی۔

''تو میری بھی صرف ماں یونانی نسل کی تھی، ورنہ میں نے تو جنم سیلون میں لیا ہے۔ میرا باپ وہاں حجامت کا کاروبار کرتا تھا۔'' دوسرے ساتھی نے بھی اپنا بچاؤ کیا۔

''کیا کہا؟ تو تم کسی حجام کی اولاد ہو؟ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''دیکھیے، آپ میری بے عزتی کر رہے ہیں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ تم جیسے غیر خوبصورت آدمی سے ملا ہی کیوں۔''

''اور مجھے افسوس ہے کہ آپ جیسے چھوت چھات پسند آدمی سے میرا سابقہ کیوں

Akram Allahabadi

پڑا۔لعنت ہے اس ہمسفر پر۔''

''تم کو خود لعنت۔'' آئرش بگڑ گیا۔

''تم پر ہزار بار۔''

''تم پر دو ہزار بار۔''

''تم پر آٹھ ہزار بار۔'' اور وہ دونوں اسی طرح آپس میں جھگڑ پڑے جس پر بہت سے لوگ عرشے پر آ گئے۔ان میں اسکواڈ انسپکٹر بھی تھا اور وہ ڈاکٹر بھی۔سب ان کی اس لڑائی میں دلچسپی لے رہے تھے۔

''بھئی، آپ لوگوں کو کیا تکلیف ہے؟'' وہ دونوں مجمع کی طرف دیکھ کر بولے۔اور پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑے۔

''مسخرے ہیں سالے۔'' مجمع میں سے کسی نے پلٹتے ہوئے کہا۔

''چلو چلو، کیوں اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔'' دو تین آدمی اور بھی یہ کہہ کر چل دیے۔

''انھوں نے ہمیں سچ مچ پہچان لیا۔'' آئرش اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

لیکن وہ ڈاکٹر سنجیدگی سے ان میں سے ایک کی صورت دیکھ رہا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب، میرے ساتھی کا ایک اسکرو ڈھیلا ہے۔'' آئرش یہ کہتا ہوا ڈاکٹر کے قریب آ گیا۔''کیا آپ ان کا معائنہ کرنا پسند کریں گے؟''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔آپ لوگ کسی وقت میرے کیبن میں تشریف لائیے۔'' ڈاکٹر نے چونک کر لہجے میں اخلاقی خوشگواری پیدا کرتے ہوئے جواب دیا۔

''بہت بہتر، میں اسے لے کر آؤں گا۔''

''کسے لے کر؟ اسکرو ڈھیلا ہوگا تمہارا، میں دنیا کا عقلمند ترین انسان ہوں۔'' دوسرا ساتھی پہلے پر آنکھیں نکال کر بگڑ گیا۔

''دیکھا آپ نے۔'' آئرش نے ڈاکٹر کو دکھایا اور ڈاکٹر مسکراتا ہوا چل دیا۔مجمع

چھٹ جانے کے بعد وہ عرشے کے کنارے پر فولادی بار سے ٹک کر باتیں کرنے لگے۔

''یہ ساری دنیا بیوقوف ہے۔'' دوسرا ساتھی بولا۔

''خبردار، مجھے چھوڑ کر۔''

''اچھا تمہیں چھوڑ دیا۔''

اور ان کی بے تکی باتیں سننے کے بعد وہ پولیس اسکواڈ کا آدمی جھنجلا کر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا واپس چل دیا۔ وہ شاید ان کے احمق ہونے پر ایمان لا چکا تھا۔ اس کے کھسک جانے پر پہلے آئرش نما آدمی کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا۔

''اسے ہم پر شک ہو گیا تھا، اس لیے یہ ناٹک کھیلنا پڑا۔ میں پہلے نہیں پہچانا تھا کہ وہ اسکواڈ پولیس کا آدمی ہے۔''

''اور ہے تو کیا ہوا؟''

''نہیں، ہمیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے، مجھے شک ہے کہ وہ کمبخت ضرور اسی جہاز پر موجود ہے اور اس عورت کے اس بہیمانہ قتل نے میرے اس شبے کو تقویت مل رہی ہے۔''

''وہ یہی جگہ ہے نا جہاں سے لاش کو نیچے پھینکا گیا ہوگا۔''

''ہاں، لیکن میرا خیال ہے کہ اس کام میں قاتل نے ضرور تیزی برتی ہوگی۔ وہ اطمینان سے کنارے پر آ کر لاش کو دور نہ پھینک سکا ہوگا۔ آخر تو ایک اوسط جسامت کی عورت میں کم از کم ڈیڑھ سو، ایک سو ساٹھ پونڈ وزن ہونا چاہیے۔ اس نے ضرور اسے جلدی میں لڑھکا دیا ہے، اس طرح لاش نیچے جا کر کانٹے میں الجھ گئی۔''

''کانٹے پر خون کے نشانات تو نظر نہیں آتے؟''

''سمندری موجوں کے تیز تھپیڑوں نے دھو دیے ہوں گے۔ لاش تازہ ہی پھینکی گئی ہوگی اور وہ شور اسی کے گرنے کا ہوگا جو کپتان نے رات کو ڈیڑھ بجے سنا تھا۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خون ۱۲ اور رات کو ڈیڑھ بجے ہوا ہوگا، کیونکہ اس سے

پہلے تو لوگ اپنی کیبنوں میں جاگتے رہے ہوں گے۔''

''خون یقیناً اس عورت کا منہ بند کر کے کیا گیا ہے، ورنہ ایک آدھ چیخ ضرور نکلتی۔''

''یہاں سے سب سے قریب کیبن کونسی پڑتی ہے؟''

''وہ سامنے والی قطار۔''

''قاتل نے ضرور اپنی کیبن سے قریب کے عرشے کی سمت استعمال کی ہوگی۔''

''مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ اسے اس بات کا احتمال ہی نہ ہو کہ یہ راز منکشف ہو جائے گا۔'' آئرش نے کہا۔

''کیوں، کیا مسز ہیگنس کی گمشدگی پر اس کی تلاش نہ کی جاتی؟'' ساتھی نے رائے دی۔

''تب تک اس کا مکان کے مطابق جہاز ہمدان کی بندرگاہ میں پہنچ چکا ہوتا اور کسی بھی خطرے کے وقت قاتل خود کو محفوظ کر لیتا۔'' آئرش نے جواب دیا۔

''لیکن اتنے میں کسی نے پشت سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ انھوں نے مڑ کر پیچھے دیکھا، پولیس اسکواڈ کے دو آدمی ان کے پیچھے کھڑے تھے۔

''ہمارے ساتھ چلو۔'' ان میں سے ایک نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''کہاں؟'' آئرش نے پوچھا۔

''انسپکٹر کے پاس، تم مشکوک ہو۔'' دوسرا بولا۔

''یہ کیا بلا ہوتی ہے؟'' این نے دوسرے سے انجان بن کر پوچھا۔

''سیدھے چلتے ہو، یا گھسیٹنا پڑے گا؟'' ایک پولیس مین جمعدارانہ لہجے میں بولا۔

''چلو بھائی، چڑھو پھانسی پر۔'' آئرش نے بھولے پن سے کہا اور وہ دونوں ان کے ساتھ ہو لیے۔

اسکواڈ انسپکٹر اپنی ناکامی کی چڑچڑاہٹ سے پہلے ہی بھرا بیٹھا تھا۔

Akram Allahabadi

"یہی ہیں وہ لوگ؟" اس نے انھیں دیکھتے ہی اپنے آدمیوں سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" ان میں سے ایک بولا۔

"آپ کی تعریف؟" آرش نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر انسپکٹر کے بارے میں مسخرے پن سے پوچھا۔

"آپ انسپکٹر جہاز ہیں، آئی ایم ساری، جہاز کے انسپکٹر ہیں۔" ساتھی نے لہجے کی پھسلن پر قابو پاتے ہی جواب دیا۔

"تم لوگ ضرور مسز ہیگنس کے قاتل کو جانتے ہو، تم اس کے بارے میں باتیں بھی کر رہے تھے۔" انسپکٹر بگڑے ہوئے موڈ میں بولا۔

"اوّل تو ہم لوگ قطعی معصوم ہیں اور کچھ نہیں جانتے اور آپ اگر کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں تو ہم ضرور جانتے ہیں، مگر پھر بھی ہم نہیں جانتے کہ کیا جانتے ہیں۔" آرش کے ساتھی نے تقریباً بڑبڑانے والے انداز میں جواب دیا۔ اس پر انسپکٹر مشتعل ہوگیا۔

"مردودو، سیدھے سیدھے بتاؤ گے، یا پھر..." یہ کہہ کر اس نے اس آرش کا گریباں تھام لیا۔ وہ مسکرا دیا۔

"ہاں ہاں، شریف لوگ ہاتھا پائی نہیں کیا کرتے۔ اور میرے خیال میں آپ تو شریف آدمی ہیں۔" اس کے لہجے میں خفیف سا طنز تھا۔

"تم یوں نہیں مانو گے۔"

"مان گئے، مان گئے، بھئی، یہ لیجیے۔" یہ کہہ کر اس آرش نے اپنی اندر کی جیب سے ایک چھوٹا سا کتاب نما کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"اوہ۔" وہ اسے غور سے دیکھ کر بولا۔ "تو آپ ہی ہیں مسٹر سپرنٹنڈنٹ خاں۔ میں نے آپ کا ذکر کئی بار سنا ہے۔ اور یہ آپ کے ساتھی یقیناً سارجنٹ بالے۔"

"جی نہیں، یہ میرے دوست مسٹر تنویر ہیں جو راجستھان آبزرور اور پنگل اسٹنڈرڈ

کے خصوصی رپورٹر ہیں۔'' آئرش نے خود اپنے ساتھی کا تعارف کرادیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میرے آدمیوں کی حماقت سے شبہ ہوا بھی تو کس پر۔'' انسپکٹر جھینپی ہوئی آواز میں بولا۔

''ایسا تو اکثر ہو جایا کرتا ہے، یہ کوئی افسوس کی بات نہیں۔'' خان نے سمجھایا۔

''آپ کیا کسی کا تعاقب کر رہے ہیں، یا کسی سرکاری کام سے جا رہے ہیں؟''

''دونوں ہی سمجھ لیجیے، لیکن جہاز پر ہماری موجودگی کو راز میں ہی رہنا چاہیے۔'' خان نے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں۔'' اسکوا ڈانسپکٹر مسکرا دیا۔ ''مگر ہاں، آج کی واردات کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟'' اس نے پھر کہا۔

''یہی کہ اسے قتل کیا گیا ہے، لیکن میرے نقطۂ نظر سے یہ ایک حیرت انگیز اور قطعی مختلف نوعیت کی واردات ہے، جس پر میں ابھی کوئی روشنی نہیں ڈال سکتا، لیکن حالات بہت پر اسرار ہیں۔'' کان نے جواب دیا۔

''میری نظر میں یہ اس قسم کا پہلا عجیب کیس ہے، اس لیے میرا تو دماغ کام نہیں کر رہا۔'' اسکوا ڈانسپکٹر نے بے بسی ظاہر کی۔

''وہ اتنی آسانی سے سمجھ میں میں بھی نہیں آئے گا اس لیے سردست اس کا خیال چھوڑ دیجیے، البتہ ہمدان کی بندرگاہ رڈاکٹر پر کڑی نظر رکھیے گا۔''

''کیا وہ مشکوک ہے؟'' انسکٹر نے پوچھا۔

''بظاہر تو اس کی کوئی وجہ نہیں، لیکن اس کی سرخ آنکھیں مجھے کچھ عجیب سے شبے میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ بہر حال ہمدان سے آگے شاید میں کچھ بتا سکوں، اس وقت تو اجازت دیجیے۔'' خان کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ ملا کر باہر نکل آئے۔

مگر جب جہاز ہمدان پہنچا تو جہاز سے اترنے والے ہر فرد پر کڑی نگہداشت رکھی گئی

تھی، یہاں بمبئی سے آنے والے صرف نوایرانی مسافر اترے، عملے کے کچھ آدمیوں کو کپتان کے پرمٹ سے بندر کے علاقے سے باہر جانے کی چند گھنٹوں کی اجازت دے دی گئی تھی۔ جہاز کو آج یہاں قیام کرنا تھا، کیونکہ میکینیکل انجینئر اور شپ افسر کی ہدایت کے مطابق اس تھوڑے وقفے میں گیس کی ایک ٹنکی کی مرمت بھی یہیں کرنی تھی جو راستے میں لیک کرنے لگی تھی۔

جہاز سے باہر جانے والے ہر مسافر کو عرشے سے بندرگاہ پر اترتی ہوئی سیڑھیوں کے دونوں سروں پر کھڑے ہوئے پولیس اسکواڈ کے سادہ لباس آدمی اور تنویر چیک کر رہے تھے۔ شام کو گئے ہوئے لوگ واپس لوٹے، صرف ایک ایک ملاح باہر رہ گیا۔ اس کا انتظار کافی دیر تک کرنے کے بعد جہاز پلیٹ فارم سے ہٹا کر گودی میں فاصلے سے کھڑا کر دیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ڈاکٹر بیرٹ لاپتہ

شام ہونے پر خاں ااور تنویر دونوں اپنے آئرش اور اطالوی بھیس میں ڈاکٹر بیرٹ کی کیبن پر پہنچ گئے ۔خلاف توقع اس کا کمرہ بند تھا۔

''مجھے شک ہے کہ ڈاکٹر...'' یہ کہتا ہوا تیزی سے خان کینٹین کی طرف دوڑا، لیکن ڈاکٹر کا وہاں بھی پتہ نہ تھا، پھر اس نے کلب، عرشہ اور جہاز کا کونہ کونہ چھان مارا، لیکن اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ کپتان بھی یہ اطلاع پا کر حیران رہ گیا۔ڈاکٹر کے کمرے کا دروازہ توڑے جانے پر اس میں کچھ بھی نہ ملا، لیکن جس وقت خان کمرے کی ایک ایک چیز کا غور سے معائنہ کرنے کے بعد تھکن محسوس کر رہا تھا، ایک کونے میں پڑی ہوئی ایک سنہری انگوٹی کے سرخ نگ نے اسے چونکا دیا۔اس نے جھک کر وہ انگوٹھی اٹھالی اور پھر محدب شیشہ نکال کر غور سے فرش کو گھورتا چلنے لگا۔ایک جگہ پھر وہ ٹھٹکا، یہاں فرش پر چند باریک اور لمبے بال منتشر پڑے تھے، جیسے سر نوچتے وقت جھڑ گئے ہوں اور اس سے حیرتناک بات یہ ہوئی کہ اسی کمرے میں ایک کونے میں ایک انگیٹھی بھی رکھی ہوئی تھی، جسے یہ لوگ غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر گئے تھے۔خان اس کی راکھ ٹٹولنے لگا۔کوئلوں میں دبی ہوئی ایک نرم سی چیز اسے محسوس ہوئی اور اسے اٹھا کر سونگھتے ہی اسے جیسے قے سی ہوئی۔

''تنویر۔''اس نے آہستہ سے پکارا۔تنویر پاس آ گیا۔

''اسے احتیاط سے لفافے میں رکھ لو۔'' یہ کہہ کر اس نے وہ نرم سا ایک سیاہ ٹکڑا تنویر کی طرف بڑھا دیا۔اور تنویر نے اس پر غور کیے بغیر اسے جلدی سے جیب سے ایک مستعمل لفافہ نکال کر اس میں ڈال لیا۔اس کے بعد دروازوں کے پٹ اور اس چھوٹی سی فولڈنگ ٹیبل کو دیکھنا شروع کیا، جو بیڈ کے ساتھ دیوار سے پیوست تھی۔وہ سب باہر نکل آئے، اندر اور کوئی قابلِ غور

Akram Allahabadi

شے انھیں نہ مل سکی، نہ ہی کہیں قدموں، یا انگلیوں کے نشان پائے جا سکے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ڈاکٹر بہت چالاک اور محتاط شخصیت رکھتا تھا۔

اسکواڈ انسپکٹر خاں کے طریقِ تفتیش پر حیران تھا۔ وہ اس انگوٹھی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا، جو خان کو ملی تھی۔ اس کے دفتر میں واپس آتے ہی خان نے لوناڈو کو بلوا بھیجا۔ وہ جب آیا تو ایک غم انگیز کیفیت اب تک اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔

''تمہاری بیوی سونے کی سرخ نگ والی انگوٹھی پہنتی تھی نا؟'' خان نے پوچھا۔

جس پر چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟'' اس نے پوچھا۔

''اس کے سر کے بال ملائم اور سنہری مائل تھے؟'' خان نے دوسرا سوال بھی کر دیا۔

''ہاں، میں نے اسے گولڈن ہیئر گرل ہی کہا کرتا تھا۔'' لوناڈو نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''تو پھر یقیناً اسی ڈاکٹر نے اس کا خون کیا ہے۔ تمہاری بیوی کی ہی انگوٹھی ہے نا؟'' یہ کہتے ہوئے خان نے سرخ نگ والی انگوٹھی اس کے سامنے کر دی اور وہ چند بال بھی، جو اسے ڈاکٹر کے کمرے کے فرش پر ملے تھے۔ ''یہ بال بھی اسی کے سر سے گرے ہیں، ممکن ہے اس کے سر کے بال نوچ گئے ہوں۔'' خاں نے مزید کہا۔

''یہ اسی کی انگوٹھی ہے، یہ اسی کے بال ہیں۔ ہائے، میری عزیز ترین بیوی۔'' یہ کہہ کر لوناڈو رو پڑا۔

''صبر سے کام لو، ہم قاتل کو تلاش کر رہے ہیں۔'' اسکواڈ انسپکٹر نے دلاسہ دیا۔

''اب ہونا ہی کیا ہے، وہ تو اپنی جان سے گئی۔'' لوناڈو نے رقت انگیز لہجے میں کہا۔

''اور مجھے تعجب ہے کہ مقتولہ کے جسم کے کسی حصے کا گوشت کاٹ کر اس درندے نے انگیٹھی پر بھونا ہے۔'' خان کے اس انکشاف پر سب اچھل پڑے۔

Akram Allahabadi

''لیکن ایسا کیوں کیا؟ یہ سمجھ میں نہیں آرہا؟'' خان نے خودی سلسلۂ کلام جاری رکھا۔

''انگیٹھی کے کوئلوں میں دبی ہوئی یہ گوشت کی آدھ کچی بوٹی اس شبے کو تقویت پہنچاتی ہے۔'' خان نے سمجھایا۔

''لیکن گوشت بھوننے سے فائدہ؟'' تنویر بیچ میں بول پڑا۔

''یہ نہیں کہا جا سکتا، ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی شدید قسم کا انتقام ہو۔ بہر حال اب ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ مسز ہیگنس کا قاتل وہی ڈاکٹر بیرٹ تھا۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ وڈاکٹر بیرٹ کے علاوہ اپنی شخصیت کا کوئی دوسرا پہلو بھی رکھتا ہو۔''

''یعنی؟'' اسکواڈ انسپکٹر کا چہرہ سوالیہ بن گیا۔

''سر دست اس پر کوئی رائے زنی نہیں کرسکتا۔'' خان نے کچھ آگے کہنے سے انکار کردیا۔ اس نے مسز ہیگنس کی انگوٹھی، سر کے بال اور وہ لفافہ، جس میں جلے ہوئے گوشت کا ٹکڑا تھا، اپنے پاس حفاظت سے رکھ لیے۔ ان کی نشست برخواست ہوگئی اور ان سنسنی خیز انکشافات کی چہ میگوئیاں دبی بھی نہ رہ سکیں۔ رفتہ رفتہ سارے جہاز میں ان کے تذکرے ہونے لگے اور ہر ایک، بلا زیادہ غور کیے، ڈاکٹر بیرٹ کو موٹی موٹی گالیوں سے نواز رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خونخوار بلّی

تیسرے دن جہاز عالمگیر بحرِ قلزم میں داخل ہوگیا۔اس جہاز پر حالات پرسکون تھے،لیکن مسز ہیگنس کے اس دردناک قتل کے بعد سے مسافروں میں ایک عجیب سی بے چینی، ایک اداس خاموشی پائی جاتی تھی۔ابھی جہاز عدن سے ایک منزل کے فاصلے پر تھا کہ ایک برطانوی میرین اسے چیک کرنے کیلیے سمندر کی تہ سے ابھر آئی۔تقریباً دو گھنٹے تک سمندری بیڑے کے افسران اس کی تلاش کرتے رہے اور کوئی شے قابلِ اعتراض نہ پانے پر، اسے عدن کی طرف جانے کی اجازت دے دی گئی۔

سورج اب ایک چوتھائی عروج پر آچکا تھا اور عرشے کے مسافر بھی، یا تو اپنی کیبنوں میں، یا شیڈ میں پڑی ہوئی بنچوں پر جا بیٹھے تھے۔کینٹین بھی مسافروں سے بھری ہوئی تھی کہ اچانک ایک ہلڑ سا مچ گیا۔اس وقت خان اور تنویر کینٹین کے باہر والے کاؤنٹر پر جھکے ہوئے تفریحی ناشتہ کر رہے تھے۔وہ یہ دیکھ کر مسکرا پڑے کہ چند آدمی محض ایک بلی کو دوڑتی ہوئی دیکھ کر بھاگ رہے ہیں۔بعض دوسرے دور سے کھڑے ہوئے لوگ بھی اس منظر کو دیکھ کر ہنسنے لگے لیکن اس بلی نے قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی کے ہاتھ میں اچھل کر بڑی زور سے کاٹ کھایا۔وہ تلملا کر چیخ اٹھا اور اس نے بھرپور طاقت سے ہاتھ کو دو بار جھٹکا۔بلی دوسرے جھٹکے میں نیچے جا گری اور پھر اٹھ کر ایک دوسرے آدمی کے پیچھے دوڑتے ہوئے اس کے پیر میں کاٹ کھایا۔وہ بہت خونخوار، یا شاید پاگل ہو رہی تھی۔وہ سندلی بڑے بالوں والی ولایتی بلی تھی، لیکن خان اسے قریب سے دیکھ کر چونک پڑا۔اس کا قہقہہ گلے میں ہی اٹک گیا۔بلی کی ایک ران اور پٹھے کے حصے کا گوشت غائب اور اس کے زخم سے تازہ خون بہہ رہا تھا۔اس کے اس حصے کے بال سب خون میں رنگ گئے تھے اور اسی تکلیف سے پاگل ہو کر وہ بُری طرح ہر چیز پر جھپٹ

Akram Allahabadi

رہی تھی۔ خان تیزی سے اس کی طرف بڑھا، لیکن اس سے قبل ہی اس بلی نے اچھل کر ایک مسافر عورت کا گلا تھام لیا۔ اس نے اس کے نرخرے پر اپنے دانت کچکچا کر دبا دیے۔ اس عورت کی دردناک چیخوں سے عرشہ گونج پڑا۔ تنویر نے جھپٹ کر بلی کو دم سے تھام کر جھٹکا مارا، لیکن اس کے دانت اور گڑ گئے اور وہ عورت بے دم سی ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر خان نے تنویر کو ایک طرف دھکیل دیا اور اپنی پستول بلی کے پیٹ پر لگا کر زمین کی طرف فائر کر دیا۔ بلی ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ تڑپ کر گری اور چند سیکنڈ میں چیخ چیخ کر ختم ہو گئی۔ لوگوں نے چاروں طرف سے انھیں گھیر لیا۔ یہ عجیب و غریب واقعہ تھا۔ خان جھک کر اس مردہ بلی کی کٹی ہوئی رانی کا معائنہ کر رہا تھا۔ اتنے میں کپتان بھی آ گیا۔

''میں پوچھتا ہوں یہ بلی جہاز پر کیسے آئی؟ کون لایا تھا؟'' اس نے ایک بار چاروں طرف نگاہیں گھما کر پوچھا، لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔

خان کو اچانک نہ جانے کیا یاد آ گیا کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے ڈاکٹر کی کیبن کی طرف دوڑا۔ کیبن پرتالا پڑ چکا تھا، لیکن اس نے فوراً ہی اس کی چابی وہاں موجود اسکواڈ پولیس سے لے کر اسے کھول لیا اور تمام کمرہ چھان مارا۔ یہاں اسے کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے اس کے شبے کو تقویت پہنچ سکتی۔ آخر تھک کر وہ باہر نکل آیا اور عرشے، کیبنوں اور کینٹین میں موجود ایک ایک کی شخصیت کا جائزہ لینے لگا۔

عدن پہنچنے پر یہاں اترنے والے مسافروں کے علاوہ موجود مسافروں اور جہازی عملے پر کڑی خفیہ نگرانی رکھی گئی، لیکن بے سود۔ حتیٰ کہ جہاز عدن سے بھی روانہ ہو گیا اور خلافِ امید یہاں سے ڈربن تک مسلسل خاموشی رہی۔ ڈربن کی بندرگاہ پہنچ کر ایس ایس عالمگیر کا یہ سفر بھی ختم ہو گیا۔ مسافروں کی زیادہ تعداد عدن ہی میں اتر گئی تھی، جن میں کچھ انگریز، کچھ اطالوی، کچھ امریکی سیاح اور سعودی عربیہ کے تیل کے کارخانوں میں کام کرنے والے بعض ہندوستانیوں کے چھوٹے چھوٹے خاندانوں کے علاوہ سب سے زیادہ تعداد ان مختلف ممالک

کے مسلمانوں کی تھی جو اپنی مذہبی عقیدت کے ساتھ سعودی عرب کے مقامات مقدسہ کی زیارت کو آئے تھے۔

ڈربن پہنچنے پر سب سے پہلے وہی دونوں عرشے پر موجود مسافروں میں سے ایک ایک پر گہری نظر ڈالتے ہوئے سیڑھیوں کے نیچے پلیٹ فارم پر آ گئے اور سیڑھیوں کے نچلے سرے پر کھڑے ہو کر ایک ایک کا جائزہ لینے لگے۔

جہاز خالی ہو گیا۔ بندرگاہ پر اترتے ہوئے مسافر بھی گودی سے نکل کر اپنی قیام گاہوں کو روانہ ہو گئے، لیکن وہ کسی مشتبہ شخص کو نظر میں نہ لا سکے۔ جب وہ کسی قدر مایوس سے پلیٹ فارم سے نکلنے لگے، تو یہاں موجود ایک انگریز سارجنٹ نے انھیں ٹوک دیا۔ مجبوراً انھیں اپنے پاسپورٹ دکھانے پڑے، جنھیں دیکھ کر وہ ان سے بڑے اخلاق سے پیش آیا۔ اس نے خود ہی پوچھا۔

''آپ یہاں کسی سرکاری کام سے آئے ہیں؟''

''جی، بس کچھ یونہی سمجھ لیجیے۔'' خان نے گول گول سا جواب دیا۔

''کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟'' اس نے اخلاقاً پیشکش کی۔

''جی شکریہ، بس مجھے کسی ایسے پرسکون ہوٹل کا پتہ بتا دیجیے جو آبادی میں بھی ہو، لیکن جہاں زیادہ شور و شغب اور ہنگامہ آرائیاں نہ ہوں۔ میرا مطلب ہے جہاں سنجیدہ اور شریف قسم کے لوگ قیام کرتے ہوں۔''

''ایسے ہوٹل ڈی فرنیکو اور بیت الکبیر ہیں۔ بلکہ لیجیے میرے پاس تو ان کے کارڈ بھی ہوں گے۔ ان کا ایجنٹ اکثر میری جیب میں اپنے کارڈ ڈال جایا کرتا ہے۔''

''دوسرے ملکوں سے آنے والے زیادہ تر کہاں ٹھہرتے ہیں؟'' خان نے سوال کیا۔

''یوروپین نسل کے ہوٹل ڈی فرنیکو میں اور ایشیائی ملکوں کے بیت الکبیر میں۔''

Akram Allahabadi

سارجنٹ نے اسے ایک سگریٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

''تھینکس۔'' خان نے شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد سارجنٹ سے ہاتھ ملا کر دونوں شیڈ کے باہر نکل کر مسافر خانے سے ہوتے ہوئے ایئر پورٹ روڈ پر آ گئے۔ یہاں بہت سی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ خاں نے ایک کو اشارہ کیا۔ اس کا ڈرائیور ہندوستانی ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے دوشنانگ میں انھیں ڈی فرنیکو پہنچا دیا۔ اسے پیسے دینے کے بعد وہ بالکل اس بے تکلفانہ انداز میں، جیسے وہ اس جگہ کیلیے اجنبی نہ ہوں، فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر کسی دوسری ٹیکسی کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ چنانچہ پانچ منٹ بعد ہی انھیں دوسری ٹیکسی بھی مل گئی۔

''لارڈ اسمتھ اسکوائر۔'' خان نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے آپ خود کو بمبئی میں سمجھ رہے ہیں۔'' تنویر نے گفتگو چھیڑی۔

''شاید۔'' خان نے مختصر سا جواب دیا۔

''لیکن ہم تو ہوٹل ڈی فرنیکو چل رہے تھے نا؟''

''تم الو ہو۔''

''چلیے تسلیم۔''

''تو پھر بات ختم۔''

''میں آپ کا پروگرام جانتا ہوں۔''

''لارڈ اسمتھ اسکوائر پرگا گامینشن میں میرا ایک دوست رہتا ہے، وہ ہندوستانی تاجر ہے، اس کا ایک گھر بمبئی میں بھی ہے۔'' خان نے بتایا۔ ''اور ہم بڑے آرام سے وہیں ٹھہر کر اپنا کام کر سکتے ہیں۔'' خان نے کہا۔

''اگر اس نے بن بلائے مہمان کو نہ پہچان کر عزت کے ساتھ گھر سے نکال دیا تو؟''

''کسی یتیم خانے میں چل کر نام لکھا لیں گے۔''

''میرا باپ زندہ ہے۔'' تنویر نے منہ بنا کر جواب دیا۔

Akram Allahabadi

''کم از کم عقل سے تو یتیم ہو ہی۔''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''تو یہ آ گیا لارڈ اسمتھ اسکوائر۔'' خان نے چوراہے پر بنے ہوئے ایک تاور کے نچلے سنگین حصے پر موٹے موٹے سیاہ انگریزی حروف میں کندہ لارڈ اسمتھ اسکوائر کو پڑھتے ہوئے کہا۔ ٹیکسی گاگا منشن پر رک گئی۔ یہ ایک سہ منزلہ خوبصورت، مگر سادہ عمارت تھی، اس کے نچلے حصے میں چرم کا کاروبار کرنے والی گاگا فرم کے دفاتر تھے، تقریباً ۳۰ فٹ لمبے، ۲ فٹ چوڑے ایک فریم پر پیتل کے ڈھالے ہوئے بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا، 'گاگا لیدر'۔

تنویر ٹیکسی میں ہی بیٹھا رہا اور خان گاڑی سے اتر کر بڑے دروازے میں داخل ہو گیا۔ دروازے پر ایک سیاہ فام طاقتور حبشی خاکی وردی پہنے کھڑا تھا۔ اس کی کمر میں ایک ٹیڑھی میان میں تقریباً ایک فٹ لمبا خنجر لٹکا ہوا تھا۔ وہ خان کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اور خان اس عمارت میں اس طرح اندر تک چلا گیا جیسے اس کے لیے اس مقام کا نیا پن کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ کوئی دس منٹ بعد ہی جب وہ باہر نکلا تو اس کے ساتھ ایک دہرے بدن کا خوبصورت سا جوان آدمی تھا، جو خدوخال سے کافی باوقار اور مہذب معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ہلکا زرد سوٹ پہن رکھا تھا، گلے میں سرخ ٹائی لہرا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر دربان گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

''یعقوب کو بلاؤ۔'' اس نے دربان کو حکم دیا۔ اور دربان حکم پاتے ہی تیزی سے اندر چلا گیا۔ اور دوسرے منٹ پر ہی وہ ایک دوسرے آدمی کے ساتھ آ پہنچا۔

''اوپر سیکنڈ فلور پر دو نمبر فلیٹ میں یہ سامان لے جا کر رکھاؤ اور دیکھو، ضرورت کی ہر چیز مہیا ہونی چاہیے۔'' اس آدمی نے آنے والے نوکر کو حکم دیا۔ اور پھر خان کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ''تم اوپر جا کر غسل وغیرہ سے فارغ ہو تو پھر لنچ کھا کر چلیں گے کہیں۔''

''ہاں ہاں، ٹھیک ہے۔'' خان نے پلٹتے ہوئے کہا۔ اور وہ اس سے ہاتھ ملا کر اپنے آفس میں واپس چلا گیا۔

Akram Allahabadi

''گاگالیدر یہا کی سب سے بڑی چرم سازفرم ہے۔اس کے مالک دو بھائی ہیں، جن میں سے بڑا بھائی احمد رشید گاگا یہی ہے جو میرے بچپن کا دوست ہے۔ہم نے علیم مسلم کالج کانپور میں کبھی ایک ساتھ تعلیم پائی تھی۔''خان نے تنویر گاگا کا غائبانہ تعارف کرایا۔

اس کے بعد وہ دونوں درمیان کے بڑے محراب دار دروازے میں داخل ہوکر یعقوب کے پیچھے پیچھے زینہ چڑھتے ہوئے اوپر چلے گئے۔دوسرے نوکر ٹیکسی سے اتارا ہوا سامان لے کر آرہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

اسپینی جادوگر

''لیکن ہم ڈربن آئے ہی کیوں ہیں؟'' گا گا منشن کے ایک فلیٹ کے شاندار کمرے میں صوفے پر بیٹھتے بیٹھتے تنویر نے خان سے پوچھا۔

''تھوڑی سی جھک مارنے۔''

''وہ تو ہندوستان میں بھی ماری جا سکتی تھی۔''

''افریقی جھک ذرا لذیذ ہوتی ہے، شاید سابقہ نہیں پڑا تمہارا۔''

''کاش میں آپ کو جانتا نہ ہوتا۔''

''اب کوشش کر دیکھو۔''

''وہاں میری محبوبہ آٹھ اور آٹھ سولہ آنو رو رہی ہوگی، تڑپ تڑپ کر ادھ موئی ہوئی ہوگی۔''

''اس سے بالے نے دوستی کر لی ہے۔''

''میں اس حرام خور کا خون پی لوں گا۔''

''توبہ توبہ، لوگ تمہیں مسز ہیگنس کا قاتل سمجھنے لگیں گے۔'' خان کے اس جملے نے تنویر کا دماغ دوسری طرف گھما دیا۔

''آپ نے پھر میرا سوال یاد دلا دیا۔''

''میں ابھی اس کا جواب دینا نہیں چاہتا، خاموشی سے وقت کا انتظار کرو۔''

''لیکن وہ تو راستے میں ہی غائب ہو چکا ہے، پھر یہاں آنے سے کیا فائدہ؟''

''گھبراؤ نہیں، وہ تم سے ملاقات کرنے یہاں ضرور آئے گا۔''

''آپ کی باتیں بے سر پیر کی ہونے لگی ہیں، میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔''

Akram Allahabadi

''ابھی کوشش بھی نہ کرو سمجھنے کی، بیٹے۔چلو اٹھو ہم آج ایک شاندار ہوٹل میں دعوت کھائیں گے۔''

''دعوت؟''

''ہاں، رشید نے ہماری آمد کی خوشی میں اپنے دوستوں کو گرین ہوٹل میں آج دعوت دی ہے۔''

''تو گویا آپ یہاں اپنا پروپیگنڈہ کرا رہے ہیں۔''

''بیوقوف، ہم یہاں انڈونیشی سیاحوں کی حیثیت سے آئے ہیں۔ جکارتا میں ہماری ایک بہت بڑی فرم ہے جو گاگا کمپنی سے تجارت کرتی ہے اور تم میرے بھتیجے محمد امین کا جوہو، میرا نام...''

''آپ کا نام یقیناً اخروٹ ہوگا۔'' تنویر نے سنجیدگی سے کہا۔

''کاجو کا چچا اخروٹ۔'' یہ کہہ کر وہ قہقہہ مار کر ہنسا۔

''نالائق، حلق مت پھاڑو، لوگ ہمیں جنگلی سمجھیں گے۔''

''تو پھر آپ کا نام؟''

''عبدالرحیم سومترو۔اور ہم جکارتا میں کوئس سرکل میں رہتے ہیں۔ ہمارے یہاں ابرق اور چمڑے کی تجارت ہوتی ہے۔''

''یعنی ہم چمار ہیں؟''

''صورت سے تو ایسے ہی معلوم ہوتے ہو۔''

''دیکھیے، اگر اتنی دور لا کر اس طرح آپ کو بے عزتی کرانی ہے تو میں کل آبشار نیاگرہ میں کود کر خودکشی کر لوں گا۔''

''نیاگرہ امریکہ میں ہے، معلوم ہوتا ہے تم نے اسکول میں گھاس کھودی تھی۔''

''میں اس جدت طرازی سمجھتا ہوں۔''

Akram Allahabadi

''اچھا، پانچ بجنے میں صرف دس منٹ رہ گئے ہیں، نیچے کار موجود ہے، بس اب فوراً تیار ہو جاؤ، بکواس پھر کر لینا۔''

اور تنویر بادل نا خواستہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اتنے لمبے سفر کی تکان سے بوجھل ہو رہا تھا، لیکن خان تو جیسے فولاد کا آدمی تھا۔ وہ شاید کبھی تھکتا ہی نہ تھا، یا کم از کم تنویر نے تو اسے کبھی کسی کام میں کسی وقت تھکتے نہ دیکھا تھا۔

چند منٹو کے بعد ہی وہ دونوں بیوک ۸ ماڈل کی کار میں بیٹھے گرین ووڈ کی طرف جا رہے تھے۔

ہوٹل گرین ووڈ ڈربن کے گھنے شہری علاقے کی برطانوی آبادی کے سرے پر ایڈورڈ کراس اور چارلس کارنر کے سنگم پر بنی ہوئی ایک مضبوط بلند اور شاندار عمارت تھی جو پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ دور سے ایک چھوٹا سا جدید طرز کا قلعہ معلوم ہوتا تھا، لیکن اندر سے بہت خوبصورت، آراستہ اور وسیع و عریض ہوٹل تھا۔ یہاں اوپری منزلوں میں دوسرے ممالک سے آنے والے بڑے بڑے تاجر، اعلیٰ حکام اور غیر ممالک کے نمائندے قیام کرتے تھے۔ البتہ پہلی منزل پر ۲۵ کمروں کی ایک پوری قطار سیاحوں اور جنوبی افریقہ کی طرف جانے والے شکاریوں، یا جنگلی جانوروں کی کھالوں کے تاجروں کیلیے مخصوص تھی۔ ان میں سے ہر کمرہ خاصہ کشادہ اور ایک طرح ہوسٹل تھا، جس میں بیک وقت آٹھ پلنگوں پر آٹھ بستر لگ سکتے تھے۔ نچلے حصے میں بال روم، ایک چھوٹا سا کلب اور ریفریشمنٹ ہال تھا۔ باہر کی طرف دو شور وم تھے۔

جس وقت وہ اس ہوٹل میں پہنچے، رشید گا گا یہاں پہلے سے موجود تھا۔ اس نے ان کیلیے دعوت کے انتظام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ دعوت میں بہت سے شہر کے معزز مہمان بلائے گئے تھے۔ رشید گا گا نے ان سے اپنے ان دو دوست مہمانوں کا تعارف انڈونیشی مسٹر سومترو اور کاجو کی حیثیت سے کرایا۔ ان میں ڈربن کے انگریز ایکسائز کمشنر اور بعض دوسرے سرکاری عہدیداروں کے علاوہ تین ہستیاں ان کیلیے زیادہ کشش کا باعث تھیں۔ ایک اسپینی

جادوگر کارڈو، جو کافی مشہور شخصیت رکھتا تھا، ایک مس لوسیا بیلٹ تھی، جو کارڈو سے کسی قدر قریبی طور پر متعارف معلوم ہوتی تھی۔ تیسرا ایک کسی قدر خاموش قسم کا برمی شکاری تھا، جو کہ افریقہ کے گھنے جنگلوں میں موٹی کھال والے اژدھوں کا شکار کھیلنے کیلیے آیا تھا، وہ تنومند اور سنجیدہ شخصیت رکھتا تھا، اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور ان میں ایک عجیب سی چمک ایک عجیب سی کشش پائی جاتی تھی، اس کے ہونٹوں پر گفتگو کے ساتھ ایک مختصر سی سنجیدہ مسکراہٹ رہا کرتی تھی۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ بمبئی میں ایک انڈونیشی سفارت افسر کے ساتھ ذاتی طور پر خاصی دوستی قائم ہوجانے پر خاں نے انڈونیشی زبان اس قدر سیکھ لی تھی کہ وہ اگر چاہے تو اس زبان میں گفتگو کر سکتا تھا، لیکن تنویر کیونکہ اس زبان سے نابلد تھا، اس لیے وہ عجیب سی شکل بنائے بیٹھا تھا۔

''تو آپ سانپوں کے شکاری ہیں؟'' خان نے برمی سے پوچھا۔

''سانپوں کا نہیں، اژدھوں کا۔ میں ان کی کھالوں کی تجارت کرتا ہوں۔ وہ بڑا اچھا منافع دیتی ہیں۔''

''تو اس کیلیے تو آپ کو گھنے جنگلوں کی خاک چھاننی پڑتی ہوگی؟'' خان کا سوال تھا۔

''ارے صاحب، ایسے ویسے جنگلوں کی۔'' برمی صاحب ہندوستانی میں بولا۔ ''وہاں تک جانا پڑتا ہے، جہاں موت ہر قدم پر دستک دیتی رہتی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''آپ تو کافی صاف ہندوستانی بول لیتے ہیں۔'' خان نے مصنوعی حیرت سے سوال کیا۔

''ایک برمی تاجر کیلیے ہندوستانی بول لینا کمال نہیں، ہندوستان میں کافی مدت تک رہا ہوں، جب کہ یوں کہہ لیجیے کہ آدھا ہندوستانی ہوں۔'' برمی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''چلیے، یہ بھی خوب رہا۔ میں بھی ہندوستانی اور خاص کر اردو زبان پر پورا عبور رکھتا ہوں۔ میرے باپ ہندوستان کو کسی زمانے میں شکر برآمد کیا کرتے تھے اور میں اس سلسلے میں

اکثر ہندوستان میں کئی کئی سال مسلسل رہا ہوں ۔اردو کی تو میں نے باقاعدہ تعلیم لی ہے ایک پروفیسر سے ۔'' سومترو نے بتایا۔

''آپ خاصے دلچسپ ساتھی معلوم ہوتے ہیں ۔'' برمی نے اعتراف کیا۔

''لیکن شاید یہ ساتھ اور گہرا بھی ہو جائے، کیونکہ مجھے کالے چیتے کے شکار کا بہت شوق ہے ۔ میں نے سنا ہے افریقہ کے جنگلوں میں سیاہ چیتے اتنی کثرت سے ہیں جیسے بھیڑ بکری، لیکن میں نے تو ہندوستان یا انڈونیشیا میں کالے چیتے نہیں دیکھے ۔'' برمی نے شکار بازی کا ذکر چھیڑ دیا۔

''میں پیش کروں کالا چیتا آپ کی خدمت میں؟'' اسپینی جادوگر کارڈو بیچ میں بول پڑا۔

''کیا یہاں؟'' خان نے حیرت سے پوچھا۔

''جی ابھی ۔'' جادوگر مسکرا کر بولا۔ سب کی نگاہیں اس کی طرف گھوم پڑیں ۔ان کے چہرے سوالیہ نشان بن گئے تھے ۔

جادوگر نے مسکرا کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک نظر سب پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''دیکھیے، میں ابھی کالا چیتا اسی میز پر بلائے دیتا ہوں، لیکن آپ لوسنبھل کر بیٹھیے گا، وہ بڑا خوفناک جانور ہے ۔''

اس کے اس جملے پر بعض تو مسکرا دیے اور بعض جو اس کی جادوگری کے قائل تھے، وہ کسی قدر سنجیدگی سے خوفزدہ نظر آنے لگے ۔اسپینی جادوگر مسکرایا اور اس نے جیب سے کالے چیتے کا ایک چھوٹا سا مجسمہ، جو شاید بارہ سنگھے کے سینگ سے بنایا گیا تھا، نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا ۔سارا کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا ۔وہ جو سنجیدہ تھے، کسی قدر جھینپ سے گئے ۔

''یہ کمبخت بارہ سنگھے مار کھاتا تھا، اس لیے اس کا جسم ایسا ہو گیا ہے ۔'''' کارڈو نے مزید تفریح پیدا کرتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''آپ جادوگر ہیں نا؟''تنویر بیچ میں بول پڑا۔

''آپ کو کچھ شک ہے کیا؟''

''مجھے ایک مرغے کا انڈا چاہیے، ذرا منگایئے تو جادو سے۔''تنویر سنجیدگی سے بولا۔ دوسرے مسکرانے لگے۔

''مرغے کا انڈا؟ اوہ تو لیجیے آپ ہی کے پیٹ سے نکال دوں۔''یہ کہہ کر اس نے تنویر کے پیٹ میں ہاتھ لگا کر مٹھی مروڑی اور جب ہاتھ ہٹایا تو اس پر ایک سفید انڈا چمک رہا تھا۔دوبارہ کئی قہقہے چھوٹ گئے۔

''دوستو، ہمارے نئے مہمان نے یہ انڈا دیا ہے۔''کارڈو نے وہ انڈا میز پر رکھتے ہوئے تنویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔تنویر جھینپ گیا۔

''اور کہیے تو اس انڈے سے بچہ بھی پیدا کر دوں۔''یہ کہہ کر اس نے ایک انگلی سے انڈے کو دبا کر توڑ دیا، اور اس میں سے ایک مرغی کا بچہ باہر نکل پڑا۔لوگ پھر ہنسنے لگے۔لیکن اس تمام عرصے میں مس لوسیا بیلٹ چپ چپ سی بیٹھی تھی۔اس کے چہرے پر کسی قدر اداس کیفیتیں تھیں، اس کے باوجود اس کے خوبصورت خدوخال اتنے پرکشش تھے کہ تنویر بار بار اس میں کھو جاتا۔زرد زرد سے گول چہرے پر اس کی گھنیری سیاہ پلکوں والی خمار بھری آنکھیں ہر ایک کیلیے پرکشش تھیں۔اس کے ہونٹ پتلے اور گلابی تھے۔اس کے بال کالے تھے، جن میں بہت سا سنہرا پن جھلک رہا تھا۔وہ کوئی اسپینی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔اس کا جسم بڑا سڈول اور خوبصورت تھا اور وہ گارڈو کے پاس والی نشست پر بیٹھی خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔اور تنویر بار بار نظریں چرا کر اسے دیکھ لیتا تھا۔

''مس لوسیا، آپ بہت چپ چپ ہیں۔''وہ اسپینی جادوگر آخر اسے ٹوک ہی بیٹھا۔ خان اب تنویر کی طرف جھک کر دبی زبان سے دوسری آپس کی باتیں کرنے لگا تھا۔

''جی۔''وہ ایک دم چونک پڑی، جیسے اب تک نہ جانے کس خیال میں کھوئی رہی

ہو۔

''اس کی پنڈلیاں کتنی سڈول اور سفید ہیں۔'' تنویر نے آہستہ سے خان سے کہا۔

''چپ رہو، کمبخت، ورنہ اسی کے ہاتھ سے جوتے کھلواؤں گا تمہیں۔'' خان نے آہستہ، مگر سخت لہجے میں جواب دیا۔

''ہے ہے، لذت پابوش جاناں حلوہ بادام ہے۔''

''بے غیرت۔'' خان نے آہستہ سے ڈانٹا۔

''صرف ایک بار ان سے گہرا تعارف کرا دیجیے۔''

''وہ جادوگر تمہیں خرگوش بنا کر عجائب خانے پہنچوا دے گا۔''

''میں اس کو مکھی بنا دوں گا، مگر آپ...''

''شٹ اپ۔'' خان نے دوبارہ اسے گھورتے ہوئے ڈانٹا اور تنویر خاموش رہنے کا اشارہ سمجھ کر دوسرے موضوع پر آ گیا۔

''سنا ہے افریقہ کے کسی جنگل میں ایک بلی نے سات بچے دیے ہیں؟'' وہ کسی قدر اونچی آواز میں بول پڑا۔

''خدا کیلیے بکواس بند کرو۔'' خان نے اسے پھر تنبیہہ کی، لیکن دوسرے اس کا جملہ سن کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگے۔ وہ با قاعدہ سنجیدہ موڈ میں آ گیا۔ خان اسے گھور رہا تھا۔

''میں نے سنا تھا۔'' اس نے بھولا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ اس پر دوسرے لوگ ہنس پڑے۔

''صاحبزادے کا دماغ کچھ چلا ہوا ہے کیا؟'' برمی نے آہستہ سے خان سے دریافت کیا۔

''جی ہاں، صرف چلا ہی نہیں، گھسا بھی ہوا ہے۔ دوسرا خریدنا ہے مجھے۔ کیا آپ ایک عنایت کریں گے۔'' تنویر نے اس کا جملہ سن کر خود ہی جواب دے دیا۔

Akram Allahabadi

''اس کی باتوں پر نہ جایے، بچپن سے اس کے کچھ اسکروڈھیلے ہیں، ہمیشہ بے تکی باتیں کرتا ہے۔''

''تب تو اور دلچسپ ثابت ہوں گے یہ۔''

''دلچسپ ہوں گے آپ۔'' تنویر بگڑ گیا۔ ''مجھے کیا آپ نے کوئی لطیفہ سمجھ لیا ہے۔'' وہ بولا۔ اس پر خان نے اسے پھر گھورا۔

''کھا جایے، کھا جایے مجھے، گھور گھور کر افلاطون حلوہ سمجھا ہے آپ نے، چچا جان۔'' نویر نے اس کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر اس کی دزدیدہ نظر مس لوسیا پر جا پڑی۔ وہ اس کی ان مسخری باتوں میں اب دلچسپی لینے لگی تھی اور اسی لیے تنویر اور بے لگام ہوا جا رہا تھا۔

''کاش میں آپ کا چچا ہوتا۔'' اس نے بہت آہستہ سے خان کے کان میں کہا۔

''خدا گنجے کو ناخن نہیں دیتا۔'' یہ کہہ کر خان کارڈو کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ان میں آہستہ آہستہ کچھ گفتگو ہوتی رہی، لیکن اس دوران میں اس نے کئی بار موجود مہمانوں کا جائزہ لیا، کبھی کبھی وہ کارڈو کو غور سے دیکھنے لگتا، اور کبھی اس کی نظریں کچھ دور ہال میں بیٹھے ہوئے ایک سرخ رنگت اور بھرے ہوئے چہرے والے خاموش قسم کے شکاری پر جم جاتیں۔

''آپ کی تعریف۔'' اس نے رشید گاگا سے آہستہ سے پوچھا۔

''اوہ، یہ میرے خیال میں یہ کارڈو کے ساتھ تشریف لائے ہیں، کوئی شوقین شکاری ہی معلوم ہوتے ہیں۔'' رشید نے بتایا۔

''کیا نئے نئے ہیں؟''

''میں تو آج ہی دیکھ رہا ہوں، مجھے کارڈو نے بتایا تھا کہ وہ اس کا دوست ہے، اس لیے میں نے دعوت دے دی۔'' رشید نے اسے بتایا۔

''میرا تعارف کرا دیجیے نا، شخصیت تو دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔'' خان بولا۔

''بھئی، تمہاری دلچسپیاں تو تم ہی سمجھو، میں تعارف کرائے دیتا ہوں۔'' اس نے

یونہی سرسری طور پر دو ایک ساتھیوں سے گفتگو کرنے کے بعد اس شکاری پر نظر ڈالتے ہوئے دانستہ طور پر چونک کر کہا۔

''اوہ، آپ سے تو میں نے تعارف کرایا ہی نہیں۔ بھئی، آپ ہیں مسٹر...'' کہتے کہتے وہ اس کا نام سوچنے لگا۔

''ہیروشیما۔'' اس شخص نے خود اپنا نام بتایا۔

''ہیروشیما۔'' تنویر چونک پڑا۔ ''میں تو انھیں ناگاساکی سمجھ رہا تھا۔''

''چپ رہو بدتمیز۔'' خان نے اسے آہستہ سے ڈانٹا۔ ''دیکھتے نہیں کتنی دلچسپ شخصیت ہے۔''

''ہونہہ، میرا دل تو نہیں چپکتا اس سے، آپ ہی شوق فرمایئے۔'' تنویر منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔ خان نے جواب میں اس سے خود اپنا تعارف کرا دیا۔ وہ لوگ اس کے نام کو سن کر ہنسے بغیر نہ رہ سکے، لیکن کارڈو نے اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے انھیں بتایا کہ ہیروشیما میں ایٹم بم گرائے جانے کے وقت اس کا بھائی وہیں بیوپار کے سلسلے میں موجود تھا اور اس کی بھی موت اسی تباہ کن حملے میں واقع ہوئی، چنانچہ اس المناک واقع سے متاثر ہو کر اس نے اپنا نام ہیروشیما یادگار کے طور پر رکھ لیا۔ اس وجہ تسمیہ کو سن کر بعض لوگ تو خاموش ہو گئے، لیکن بعض اسے مشکوک سی نظروں سے دیکھنے لگے، ان میں تنویر بھی تھا، لیکن خان مسکرا رہا تھا۔ وہ ان کی پرواہ کیے بغیر اس سے باتیں کرتا رہا۔ ہیروشیما نے اسے بتایا کہ وہ کل ہی یہاں پہنچا ہے۔

''شاید آپ عالمگیر سے آئے ہوں گے؟'' خان نے دریافت کیا۔

''جی ہاں۔'' وہ چونک کر بولا۔ ''کیا آپ بھی اسی پر سفر کر رہے تھے؟'' اس نے دریافت کیا۔

''جی نہیں، ہم جہاز دار یسہ سے آئے ہیں۔''

''اوہ۔'' ہیروشیما نے اطمینان کی سانس لی۔

Akram Allahabadi

''الو کا پٹھا۔''تنویر زیرِ لب بڑبڑایا۔

''یہ میرا بھتیجہ ہے اس سے ملیے۔''خان نے تنویر سے بھی اس کا تعارف کرایا۔

''جی مجھے ہیرو ہیٹو کہتے ہیں۔''تنویر نے نہایت معصومیت سے کہا۔

''وہاٹ نانسنس، آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔''وہ بگڑ گیا۔

''قطعی نہیں، جناب الو، آئی ایم سار، جنابِ عالی، بات دراصل یہ ہے کہ ایک دن خواب میں میں نے شاہِ جاپان کی حجامت کی تھی اور اسی خواب کی یادگار میں میں نے یہ تخلص رکھ لیا ہے۔ دو چار شعر بھی عرض کیے ہیں، اجازت ہو تو سناؤں۔''تنویر بولتا چلا گیا اور سننے والوں کے قہقہے ایسے چھوٹے کہ بعض نے تو اپنے پیٹ پکڑ لیے۔

''یو فول۔''ہیروشیما بگڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے تنویر پر گھونسہ تان لیا، لیکن خود کارڈو بیچ میں آ گیا۔

''رہنے دو، شیمو۔ چلو چلیں یہاں سے۔ یہاں مہمانوں کی بے عزتی کی گئی ہے۔'' کارڈو بھی اس کا ساتھ دینے لگا۔

''ارے ارے، سنیے تو۔ بھئی آپ تو برا مان گئے۔''رشید گانے اٹھ کر کارڈو کا ہاتھ تھام لیا۔

''نہیں ہمیں اس وقت معاف کیجیے، مجھے جاپ تھا تھام لیا۔

''نہیں ہمیں اس وقت معاف کیجیے، مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔''

کارڈو نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ اور پھر وہ دونوں پلٹ کر تنویر اور خان کو گھورتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ وہ لڑکی مس لوسیا بیلٹ بھی بھیگی بلی کی طرح ان کے ساتھ تھی۔

''گھر چلو تو بتاؤں تمہیں آج، مارتے مارتے کھال ادھیڑ دوں گا، بیٹے۔''خان سب کے سامنے تنویر کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''بھول ہوئی، چچا ابا، مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ سچ مچ روٹھ جائیں گے۔'' تنویر کسی بچے کی طرح نگاہیں جھکا کر منمنانے لگا۔ اور ایک بار پھر لوگوں کی مسکراہٹیں چھوٹ گئیں۔

''ناک میں دم آ گیا ہے اس خبطی سے میرا۔'' خان بڑبڑایا۔ ''کمبخت کا علاج بھی تو نہیں کرسکا کہیں۔''

''تو کیا یہ ایسا پاگل ہے۔''

''ارے صاحب، یہ بچہ تھا تو ایک دن کھیلتے کھیلتے اسے ایک پاگل کتے نے کاٹ کھایا تھا اور تب سے اسے سال میں کئی کئی دن یہ دورے پڑتے ہیں۔ کبھی تو اٹھ کر مجھ پر دوڑ پڑتا ہے۔ اس کی چاچی بیچاری اسی کے کاٹے سے مر گئی۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کے خون میں اس پاگل کتے کا زہر منتقل ہو گیا ہے۔ اس کا کاٹ کھانا بھی خطرناک ہے۔'' خان نے بتایا۔ ''ویسے کبھی کبھی بڑے ڈھنگ کی باتیں کرتا ہے۔''

''غلط، ایک دم غلط۔'' تنویر بیچ میں بول پڑا۔ ''میں نے خود پاگل کتے کو کاٹ کھایا تھا، وہ بھی بڑے ڈھنگ کی باتیں کرتا تھا۔''

''معلوم ہوتا ہے اسے دورہ پڑنے والا ہے، اس لیے میں اجازت چاہوں گا۔'' یہ کہہ کر خان اٹھ کھڑا ہوا۔ رشید گاگا کچھ نہ بولا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اظہارِ ہمدردی کے ساتھ اس سے مصافحہ کیا، لیکن وہ سب تنویر سے ہاتھ ملاتے ہوئے بہت ڈرے ہوئے تھے۔ تنویر سنجیدہ شکل بنائے ہوئے تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ پھر گاگا مینشن میں موجود تھے۔

''اس ڈرامے کا سبب سمجھ میں نہیں آیا۔'' رشید گاگا نے صوفے پر پیر پھیلا کر خان سے پوچھا۔

''وقت آنے پر سب کچھ سمجھ جاؤ گے، لیکن اس سے پہلے کسی پر یہ ظاہر نہ ہو پائے کہ یہ سب کچھ ایک ڈرامہ تھا۔'' خان نے گاگا کو جواب دیا۔

Akram Allahabadi

''مجھے کیا، بھئی تم جانو تمہارا کام، تم کہو تو میں سارے شہر میں ڈھنڈورا پٹوادوں کہ سمتر وکا بھتیجہ کا جو..'' رشید گا گانے ہنستے ہوئے کہنا چاہا۔

''ایکس کیوزمی۔'' تنویر بیچ میں بول اٹھا۔ ''میں اپنے چچا کو اخروٹ کہتا ہوں۔'' اس نے اپنا جملہ پورا کردیا۔

''خیر یونہی سہی۔''

''مجھے اس برمی شکاری سے ملنا ہے، تمہارا کیا خیال، کیا وہ اچھا آدمی ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''میں اس سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ وہ ہوٹل ڈی فرنیکو میں رہتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور یہ کارڈو؟''

''وہ مشہور شخصیتوں میں شمار ہوتا ہے، یہاں کے لوگ اس سے ڈرتے ہیں، بہت سے اس کی جادوگری کے قائل ہیں۔'' رشید گا گانے بتایا۔

''رہتا کہاں ہے؟''

''یہ نہیں معلوم، لیکن عطاشی میں کبھی کبھی شو دیتا ہے۔''

''عطاشی؟''

''یہاں کا سب سے بڑا تھیٹر ہال، جس کی تین منزل ہیں۔''

''مجھے خاص کر یہاں ایک شخصیت سے ملنا ہے۔'' خان نے کہا۔ ''نام ہے لارڈ ٹیکاما۔''

''لارڈ ٹیکاما۔ کسی نے غلط بتایا تمہیں، اس کا نام ہے لارڈ ۔۔۔۔۔ وہ جنوبی افریقہ کے ایک بڑے جنگلی قبیلے 'ٹیکاما' کا سردار ہے، جسے کسی نے برطانوی نگرانوں نے جلاوطن کر کے یہاں نظر بند کر رکھا ہے۔ وہ کئی سالوں سے یہاں نظر بند ہے اور اس سے ملنے کیلیے یہاں کے

پولیس کمشنر سے اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا ہے۔"

"کیا وہ کوئی خطرناک شخصیت ہے؟"

"مجھے اس کے بارے میں زیادہ معلوم نہیں، لیکن صرف ایک بار میں نے اسے ایک شاہی پریڈ کے مہمانوں میں دیکھا تھا۔ وہ سیاہ فام ادھیڑ عمر کا آدمی ہے، بلکہ اب تو بوڑھا ہو چکا ہوگا۔ اس کی آنکھیں خوفناک حد تک چمکیلی ہیں۔ ڈیل ڈول میں دیو کا بچہ معلوم ہوتا ہے۔ کسی زمانے میں اس نے ایک انگریز کو اغوا کر لیا تھا، ممکن ہے اس کی سزا میں اس کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے۔" رشید نے بتایا۔

"اس عورت سے کوئی اولاد بھی ہوئی تھی اس کی؟"

"سنا تھا کہ شاید ایک اولاد تھی، مگر تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟"

"میں اس وقت نہیں بتا سکوں گا، لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان سے میں اس شخص کی تلاش میں آیا ہوں۔ تمہیں اس سلسلے میں جو کچھ معلوم ہو، بتا دو، میرے کام آئے گا۔" خان نے کہا۔

"مجھے زیادہ معلوم نہیں، صرف سنی سنائی باتیں ہیں۔ یہ بھی سنا تھا کہ اس کا وہ بچہ بھی یہاں کے انگریز ہائی کمشنر نے چھین لیا تھا۔ پھر اس کا کیا ہوا، یہ خدا جانے، لیکن اتنا پتہ چلا کہ انتقاماً شاید لارڈ ٹیکاما نے کسی طرح انگریز عورت کا خون کر دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اسے کمشنر کے باغیچے سے کوئی درندہ اٹھا لے گیا تھا اور نوچ ناچ ڈالا تھا۔

"واللہ علم بالصواب، البتہ ٹیکاما پر اس کا جرم ثابت نہ ہو سکا، اس لیے وہ کسی کڑی سزا سے بچ گیا۔"

"بڑی دلچسپ کہانی ہے۔" تنویر نے بیچ میں لقمہ دیا۔

"ابھی کیا ہے، بیٹے، اس کی دلچسپیاں تو آگے چل کر معلوم ہوں گی تمہیں۔" خان نے مسکرا کر جواب دیا۔

لیکن اسی وقت رشید گا گا کا فون آ گیا اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

عطاشی

آج عطاشی میں اسپینی جادوگر' کارڈو اپناشو دے رہا تھا، اس لیے ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اگر خان نے پہلے سے دو نشستیں ریزرو نہ کرالی ہوتیں تو انھیں اگلی صفوں میں کسی طرح جگہ نہ مل سکتی۔ رات کو ساڑھے ۷ بجے ہی پروگرام شروع ہوگیا۔ پہلے مصری رقاصاؤں کے ایک گروپ نے 'نیل کی بیٹیاں' کے نام سے ایک نیم عریاں رقص پیش کیا، جسے دیکھ کر کم از کم تنویر تو دو تین بار تالیاں بجا اٹھا اور آس پاس کی نشستوں کے لوگ اسے اس طرح گھورنے لگے جیسے کوئی غیر مہذب جنگلی ان کے درمیان آ بیٹھا ہے، مگر خان اسے صرف ایک بار معنی خیز نظروں سے گھور کر رہ گیا۔ آخر تو وہ نیم پاگل بھتیجہ تھا سومتر وکا۔

مصری رقاصاؤں کے بعد حبشی خانہ بدوش اسٹائل کا ایک رمبا ڈانس پیش کیا گیا، جس پر لوگ آرکسٹرا کی دھنوں کے ساتھ جھومنے لگے، لیکن اس تمام عرصے میں خان کی تمام تر توجہ ہال میں آنے جانے والوں اور خاص کر اسٹیج سے کچھ دور ایک بغلی دروازے کے نزدیک کھڑے ہوئے دو آدمیوں پر تھی جو دیر سے آہستہ آہستہ کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ اتنے میں پچھلی نشست پر کوئی آ کر بیٹھا۔ خان نے گھوم کر دیکھا تو وہ چونک سا پڑا۔ وہ وہی برمی شکاری تھا اور مصلحتاً خان اس کی طرف سے کچھ ایسا انجان بن گیا جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔ سب سے اگلی صف میں کچھ مقامی روسا بیٹھے تھے اور کے بعد والی صف میں کچھ نوجوان مصری عورتیں اور ان کے مردوں کے ساتھ ساتھ کچھ اسپینی لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ خان اور تنویر تیسری صف میں تھے۔ ٹھیک ساڑھے ۹ بجے پروگرام کا ایک خصوصی ایکٹ کھیلا گیا، جس میں ایک خانہ بدوش لڑکی اور اس کے چار قسم کے عاشق دکھائے گئے تھے۔ ایک شہری دل پھینک بوڑھا تھا، ایک سفید فام امریکی سیاح، ایک دراز قد عرب اور ایک خانہ بدوش۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی زبان میں

مختلف ایکشن کے ساتھ اپنی محبت کی پیش کش کر رہا تھا۔

''اے کاش، پانچواں سوار میں ہوتا۔'' تنویر مصنوعی ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولا۔

لیکن خان نے اس کے جملے پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ غور سے اس خانہ بدوش لڑکی کا رول کرنے والی رقاصہ کو دیکھ رہا تھا، جو ایک ریڈ یو کنٹرولڈ مشین کی طرح حرکت کر رہی تھی۔ تنویر نے ایک بار خان کی نظریں دیکھیں، پھر اسٹیج اور پھر اسے گھورتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''چھٹے سوار میں آپ کا نام لکھ لوں۔''

''چپ رہو، الو۔'' خان نے اسے دھیمے لہجے میں ڈانٹا۔ یہ وہی مس لوسیا بیلٹ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس پر کوئی کیفیت طاری ہے۔''

''شمپین پی لی ہوگی۔''

''شراب کے نشے میں قدم لڑکھڑاتے ہیں۔''

''تو افیون سے شوق فرمایا ہوگا۔''

''میں تمہارا بھیجہ توڑ دوں گا۔''

''آپ میرا بھیجہ توڑ سکتے ہیں، بھیجہ محفوظ ہے۔''

''اس کے بعد ہی کارڈو کا پروگرام ہے، میں ابھی آتا ہوں، تم اسٹیج پر گہری نظر رکھو۔'' یہ کہہ کر تنویر کے جواب کا انتظار کیے بغیر خان تیزی سے نشستوں کے درمیان سے نکلتا ہوا دروازے سے باہر چلا گیا۔ اور تنویر سوچتا ہی رہ گیا۔ اس کی نگاہیں پھر اسٹیج پر چھا گئی، مس لوسیا تقریباً رقص کرتے کرتے تھکن محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ بہت خوبصورت تھی، یہاں تک کہ ہال میں زیادہ تر لوگ ایسے تھے جو اس کے شیدائیوں میں گنے جا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی شہریوں کا ایک بڑا طبقہ اس کے حسن کا مداح تھا۔ تنویر جو خاص چیز اسٹیج پر دیکھ رہا تھا، یہ کہ سائڈ لائٹس میں کوئی بھی روشنی ایسی نہ تھی جو لوسیا کے چہرے پر براہِ راست نہ پڑ رہی ہو، اس پر مختلف روشنیوں کا مل اجلا انعکاس پڑ رہا تھا اور رقص کو اجاگر کرنے والی متحرک لائٹ اپنے

سولور وشنی کا تقریباً چار فٹ کے قطر کا دائرہ بنا کر اوپر سے اس پر پڑ رہی تھی۔ سیاہ رقص شباب پر تھا۔ ہال بار بار تالیوں سے گونج اٹھتا، لیکن اچانک نہ جانے اس طرف سے ایک تیز روشنی لوسیا کے چہرے پر پڑی اور اسکی آنکھیں چمکا گئیں۔ وہ ایک بار جھری جھری سی لے کر چونکی، پھر اس کے قدم لڑکھڑا گئے اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑی۔ ہال میں ایک شور سا مچ گیا۔ پردہ فوراً ڈراپ کر دیا گیا۔ اندر اسٹیج پر کچھ بھاری بھاری قدموں کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر پروگرام کے منیجر نے پردے سے باہر آ کر اعلان کیا کہ اب مایۂ ناز اسپینی جادوگر کارڈوا اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے۔ ہال میں پھر سناٹا چھا گیا۔ ایک منٹ بعد گھنٹیاں بجیں، پردے متحرک ہو کر دونوں طرف سمٹ گئے اور اسپینی جادوگر سامنے موجود تھا۔ اس نے شروع میں خالی ڈبوں سے چھوٹے چھوٹے جانور نکالے، چھریاں نگل جانے اور ۔۔۔۔ کے کمالات پیش کیے۔ اس کے بعد اس نے ایک صندوق میں خود کو فولادی زنجیروں سے جکڑوا کر بند کر دیا۔ صندوق کھولے جانے پر اس میں کچھ بھی نہ تھا اور کارڈوا اوپر تماشائیوں کی گیلری میں بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ پھر اس نے اسٹیج پر پہنچ کر مسمریزم کا مظاہرہ شروع کیا۔ ایک لڑکی ہپناٹائز کر کے اس کے سوئے ہوئے جسم کو پانچ فٹ اور ہوا میں معلق کر دیا۔ ایک آرے میں ایک آرے میں ایک دوسری لڑکی کا سر ڈال کر اس کا سر کاٹ دیا، لیکن پھر وہ صحیح و سالم نکلی اور ان مظاہروں کے بعد اس نے تماشہ دیکھنے والوں سے معذرت چاہتے ہوئے کہا کہ مس لوسیا کی اچانک طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ آج کا اسپیشل پروگرام، یعنی ننگی چھریوں پر ننگے پیر رقص نہ پیش کر سکے گا۔ پروگرام ختم ہو گیا۔ لوگ اٹھ اٹھ کر جانے لگے اور تنویر گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ خاں کا ابھی تک پتہ نہ تھا۔ ہال میں اکیلے گھر لوگ کیفیت میں بیٹھنے سے بہتر اس نے یہی سمجھا کہ باہر نکل آئے۔ چنانچہ وہ ہال کے باہر آ کر فٹ پاتھ کے کنارے دیوار کے سائے میں پھیلی ہوئی تاریکی کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ کافی دیر ہو گئی، پھر بھی خان نہ آیا۔ تنویر کو شک ہو چلا کہ خدانخواستہ کہیں اسے کچھ...، لیکن اسی وقت وہ تھیٹر کے بیرونی ہال کے برآمدے میں کئی بھاری قدموں کی چاپ سن کر چونک سا پڑا۔ اس کے

کان اور آنکھیں دونوں ادھر متوجہ ہوگیں۔ایک منٹ کے وقفے کے بعد اسے چند سائے برآمدے میں متحرک نظر آئے۔

''کل پہنچ جائے گا۔''ان میں سے ایک نے کہا۔

''ہم گودی پر ملیں گے۔''دوسرا بولا۔یہ آواز کارڈوس ملتی جلتی تھی۔

''لڑکی کو بھیج دو۔''

''یہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''کیا ٹیکاما کے غضب سے واقف نہیں ہو،وہ اس کی محبوبہ ہے۔''

''جانتا ہوں۔''دوسرے نے بھی اسی آواز میں کہا۔''لیکن میرے مسمریزم کی وجہ سے۔''

''سگارو کل آگیا تو وہ یقیناً بڑی دعوت کرے گا۔''پہلا آدمی پھر بولا۔

''ہُم،لیکن اس وقت وہ ہوش میں نہیں ہے۔''

''وہاں سب کو ہوش آجاتا ہے۔''

''تو لے جاؤ،وہ اس وقت ایک زندہ لاش ہے،جاؤ اٹھاؤ اندر سے۔''یہ کہہ کر پہلا ساتھی پلٹ گیا۔اس کے پیچھے ایک اور آدمی تھا،وہ بھی پلٹا اور چند لمحے خاموشی رہی۔تنویر نے چاہا کہ آگے بڑھ کر جھانکے،لیکن اسی وقت پھر قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی اور آگے پیچھے چار سائے برآمدے میں پھر رینگتے دکھائی دیے۔ان میں سے دو نے ایک سائے کو تھام رکھا تھا۔تنویر نے اندازہ لگایا کہ وہ ضرور عورت ہے،جسے وہ دونوں سامنے سے تھامے ہوئے ہیں۔وہ لٹکتی ہوئی سی معلوم ہورہی تھی،جیسے اپنے ہوش میں نہ ہو۔برآمدے سے باہر کچھ دور پر ایک سیاہ رنگ کی کار کھڑی تھی۔اس عورت کو انھوں نے اس کی پچھلی نشست پر دھکیل دیا اور ان میں سے ایک ڈرائیو کرنے لگا،ایک پچھلی نشست پر جا بیٹھا۔کار روانہ ہوگئی اور تیسرا آدمی ایک نظر ادھر ادھر دوڑا کر پلٹنے لگا۔تنویر اسی جگہ کھڑا تھا کہ وہ اسے غور سے دیکھتا تو کسی کی موجودگی کا

شک اسے ضرور ہو جاتا اور وہی ہوا۔تنویر نے دیوار سے چپک کر اس کی نظر سے بچنے کی بہت کوشش کی،لیکن اس کی نظر پڑ ہی گئی۔تیزی سے اس نے جیب سے کچھ نکالا اور پھر فوراً ہی تنویر کو ایک سنسناتی ہوئی پستول کی گولی اپنے سر کے اوپر سے گزرتی محسوس ہوئی۔اس وقت اس علاقے میں تقریباً سناٹا چھا چکا تھا۔

''خبردار جو ذرا بھی ہلنے کی کوشش کی،ورنہ گولی تمہارے سینے کے اندر ہوگی۔'اس نامعلوم شخص نے تنویر کو حکم دیا اور تنویر نے چاروناچار دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔دوسرے لمحے ٹارچ کی تیز روشنی تنویر کے چہرے پر چمکی۔یہ روشنی کسی دوسرے سائے نے ڈالی تھی۔

''اوہ،تو آپ ہیں،مسٹر خبطی۔''وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔''کیا کر رہے ہو یہاں؟'' اس نے گرج کر تنویر سے پوچھا۔

''میرا چچا کھو گیا ہے،اسے ڈھونڈ رہا ہوں۔''تنویر نے بھولے پن سے جواب دیا۔

''اوہ،تو اب تم بھی کھو جاؤ۔''وہ یہ کہتا ہوا قریب آ گیا۔اس کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول تھا۔قریب سے تنویر نے پہچانا کہ وہ کارڈو کا ساتھی وہی برمی شکاری تھا،جس سے ہوٹل میں اس کی جھڑپ ہوئی تھی۔

''تو تم مجھ سے بدلہ لینا چاہتے ہو،مگر میں نے تمہیں پیار کیا تھا ننھے منے کی طرح۔''

''چپ رہو،بدتمیز۔جانتے ہو بس چند سیکنڈ کے مہمان ہو۔''وہ گرجا۔

''اے ہے۔''تنویر نے افسوس کا اظہار کیا،پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں گانے لگا۔

''یہاں بدلہ وفا کا بیوفائی کے سوا کیا ہے۔''

''شٹ اپ۔''وہ گرجا۔

''تمہیں جگنو کا گانا پسند نہیں،اچھا میں تمہیں لالٹین کا گانا سناتا ہوں۔''تنویر نے کچھ عجیب سی مسخری شکل بنا کر کہا۔دراصل وہ وقت ٹالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''گدھے کے بچے،موت آ رہی ہے تمہاری۔''اس نے پستول کی نالی اس کے سر

کی طرف کردی۔

''تم دال میں سرمہ کھایا کرو، مائی ڈیئر پنور۔''تنویر نے مشورہ دیا۔''میں آدمی کا بچہ ہوں۔''

''یو ایڈیٹ۔''یہ کہہ کر اس نے اپنی انگلی پستول کے گھوڑے پر رکھ دی۔تنویر واقعی اب مایوس سا ہوگیا، لیکن قبل اس کے کہ وہ اس کی گولی کا نشانہ بنتا، برآمدے کے ایک کونے سے ایک فائر ہوا اور اس کا پستول ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔وہ زخم کھائے ہوئے بھیڑیے کی طرح پلٹ پڑا۔لیکن دوسرے لمحے اس کے سامنے خان کھڑا تھا۔

''یہ کیا بکواس ہے؟''خان گرجا۔''تم لوگ میرے بھتیجے کو گولی کیوں مار رہے ہو؟''

''لیکن...لیکن یہ یہاں چھپ کر کیوں کھڑا ہوا تھا چوروں کی طرح۔''ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

''چوروں کی طرح؟ بکتے ہو۔وہ مجھے ڈھونڈ رہا ہوگا۔زندگی میں پہلی بار یہاں آیا ہے، اسے راستے نہیں معلوم۔''خان نے پورے تصنع سے اپنی شخصیت کو گول رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ ابھی اس کی شخصیت کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پائے ہیں۔

''جاؤ اپنا کام کرو۔''خان نے انھیں ڈانٹا۔اور وہ اس مکالمے پر اپنا موڈ بھول کر سیدھے کھڑے ہوگئے۔

''ہمیں اس تکلیف دہی کا افسوس ہے، ہم انھیں چور سمجھے تھے۔''اس شکاری قسم کے آدمی نے کہا۔اور خان تنویر کا بازو تھام کر بڑبڑاتا ہوا ان کے درمیان سے نکل کر سڑک پر آگیا۔ کچھ دور آگے ایک ٹیکسی ان کے انتظار میں کھڑی تھی۔

''نامعقول، تم یہاں جھک مار رہے تھے اور میں تمھیں سارے شہر میں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔''خان نے ٹیکسی کے نزدیک پہنچتے ہوئے اسے کسی قدر بلند آواز میں ڈانٹا۔

Akram Allahabadi

''واہ ری آپ کی ڈھونڈ۔'' تنویر نے کہنا چاہا، مگر خان نے ٹیکسی کا دروازہ پھرتی سے کھول کر اسے اندر دھکیلتے ہوئے خود کو بھی اندر کی نشست پر گرا دیا۔ بیک وقت دو گولیاں سنسناتی ہوئی آئیں، ایک قریب سے گزر گئی، ایک ٹیکسی کے پچھلے مڈگارڈ پر دائیں طرف پڑی۔ لیکن ٹیکسی ڈرائیور عقلمند تھا۔ وہ پھرتی سے گاڑی کو ڈاج دیتا ہوا لے بھاگا۔ اور اس سونی سڑک پر رات کے سناٹے میں پستول کے دو تین فائر گونج کر خاموش ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سرخ روشنی

''کدھر چلنا ہے، صاحب؟'' ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

''جہنم میں۔''

''مجھے راستہ نہیں معلوم، آپ بتاتے جایئے۔''

''قصرالتمر۔''

''نام سمجھ میں نہیں آیا۔'' ڈرائیور بے تکلفی سے بولا۔

''سمجھ بہت موٹی ہوگئی ہے تمہاری۔'' خان نے لاپرواہی سے کہا۔

''جی ہاں، آپ کی چکی کا پسا ہوا کھاتی ہے۔'' ڈرائیور نے جواب دیا۔ تنویر ان کی گفتگو حیرت سے سن رہا تھا۔

''آپ کا دوست معلوم ہوتا ہے۔'' وہ بلا آخر تبصرہ کر بیٹھا۔

''آپ کے باپ کا بھی دوست ہوں۔'' ڈرائیور نے خود ہی تنویر کو جواب دیا۔

''یہ کون بدتمیز ہے؟'' تنویر بگڑ پڑا۔

''بدآپ ہوں گے، اپنے پاس صرف تمیز ہے، کہیے تو پیش کروں؟''

خان ان کی باتوں پر ہنسنے لگا۔ ٹیکسی اب برق رفتاری سے دوڑتی ہوئی مین روڈ پر آ گئی۔ اور اس سے کافی دور سڑک کے دوسرے سرے پر ایک دوسری کار سیاہ دوڑتی نظر آ رہی تھی۔

''یعنی کہ آپ ہنس رہے ہیں اور وہ میری انسلٹ کر رہا ہے۔'' تنویر نے فریادی صورت بنا کر اس سے کہا۔

ارے یہ کیا۔'' ڈرائیور ایک دم چونک پڑا۔ وہ دونوں بھی اس کے اشارے پر باہر

دیکھنے لگے۔سڑک پر نہ جانے کس سمت سے ایک گول دائرہ بناتی ہوئی سرخ روشنی ان کی کار کے ساتھ دوڑ رہی تھی۔یہ اپنی نوعیت کی عجیب وغریب بات تھی۔سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ روشنی کس طرف سے آرہی ہے اور ان کے ساتھ ساتھ کس طرح متحرک ہے۔اس روشنی نے ان کی ٹیکسی کو اپنے دائرے میں لے لیا تھا۔کار بھی پوری برق رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔

''گاڑی موڑ دو، بالے۔''خان نے ٹیکسی ڈرائیور کو چونک کر ہدایت کی۔

''بالے؟''تنویر حیرت سے اچھل پڑا۔''یہ کمبخت یہاں کیسے آیا؟''اس کے منہ سے نکلا۔

''گاڑی کو دوسری سڑک پر موڑ دو، یہ پراسرار روشنی کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ ہے۔''خان نے اسے دوبارہ ہدایت کی۔اور بالے نے پھرتی کے ساتھ گاڑی کو اس طرح ایک دوسری کراس روڈ پر گھما دیا جیسے وہ اصل اگلی گاڑی کا تعاقب نہیں کر رہے تھے، بلکہ کہیں اور جا رہے ہوں۔اور یہ طریق کار کامیاب رہا۔وہ سرخ روشنی ان کا پیچھا نہیں کر رہی تھی۔وہ اسی سڑک تک ختم ہو چکی تھی۔بالآخر وہ اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئے۔

''مگر یہ بالے یہاں کیسے آ گیا؟''تنویر نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے اپنا سوال پھر دہرایا۔

''وہ یقیناً قصرالتمر گئے ہیں، اس طرح تعاقب کرنا فضول ہے۔اس وقت کوئی خاص مواد حاصل نہ ہو سکے گا۔''خان نے تنویر کے سوال کو ان سنا کرتے ہوئے بالے سے کہا۔

''لیکن کل ضرور کچھ ہوگا۔''

''میں بھی وہ مکالمے سن چکا ہوں۔اندرہ ہندوستان سے جہاز ڈسرہ کے ذریعے آنے والے کسی پارسل کا ذکر کر رہے تھے۔کل ہمیں پورٹ کی نگرانی رکھنی ہوگی۔''خاں نے ہدایت کی۔''اور ہاں، بالے، اس ڈاکٹر کا پتہ چلا کچھ؟''اس نے بالے نے سوال کیا۔

''صرف اس قدر کہ وہ دورانِ سفر کہیں نہیں اترا۔وہ اسی جہاز پر موجود رہا ہوگا۔''

''رہا ہوگا، کیا معنی؟''

''میں نے عدن اور خلیج فارس کی بندرگاہوں پر اترنے والے مسافروں کو اچھی طرح چیک کیا تھا، البتہ مجھے ڈربن کے پورٹ پر ایک ایسا آدمی جہاز سے اترتا دکھائی دیا تھا، جسے کچھ نامعلوم افراد ایک کار میں لینے آئے تھے۔ اور اس کی آنکھوں کی سرخی مجھے شبے میں مبتلا کر رہی تھی۔ میں نے اسی خیال سے آپ کو فون کیا تھا کہ وہ ضرور یہیں اترا ہے۔ اور ممکن ہے وہی شخص ہو۔''

''کیا وہ پھر کہیں نہیں دکھائی دیا تمہیں؟''

''میں پروفیسر نومان کے وارنٹ کی گرفتاری پر یہاں کی حکومت کی تصدیق حاصل کرنے میں لگا ہوا تھا۔'' بالے نے بتایا۔

''مجھے شبہ کیا، بلکہ یقین ہے کہ وہ ڈاکٹر پیرٹ دراصل نومان تھا۔ یہ تو نندیرا کے کھنڈرات والے تاریخی الّو کے کیس میں ہی معلوم ہو گیا تھا کہ نومان زندہ جانوروں کا گوشت بڑی رغبت سے کھاتا تھا اور جہاز پر مسز ہیگنس کی نچی ہوئی لاش دیکھ کر مجھے ایک عجیب سا خیال پیدا ہوا کہ کہیں وہ نومان ہی نہ ہو۔''

''زندہ جانوروں کا گوشت کھانے اور ہیگنس کے خون سے کیا تعلق؟'' بالے نے سوال کیا۔

''زندہ تو دورِ عام لوگ کچا گوشت نہیں کھا سکتے، کیونکہ خون میں کھار بہت ہوتا ہے، اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ضرور کسی آدم خور نسل سے تعلق رکھتا ہے۔''

''تو کیا آپ کا مطلب مسز ہیگنس کو اس نے...'' تنویر کے الفاظ حلق میں اٹکنے لگے۔

''پروفیسر نومان نندیرا کے کھنڈرات میں پروفیسر ارسلان کو قتل کر کے ہندوستان سے بھاگ نکلا ہے۔'' بالے بھی حیران حیران تھا۔

Akram Allahabadi

''اس کے کیبن میں پائی گئی ادھ کچی گوشت کی بوٹی اب تک میرے پاس لفافے میں محفوظ ہے۔ جہاں پیرل لیبوریٹریز سے اس کی تحقیق کرالی ہے۔ وہ انسان کا گوشت ہے۔'' خان نے بتایا۔ ''ہلکہ مسز ہیگنس کا۔''

''اور آپ اسے جیب میں رکھے ہوئے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ۔'' تنویر نے قے کرنے والے انداز میں کہا۔

''سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے، بیٹے۔ یہ پولیس کی نوکری ہے۔'' خان نے کہا۔

''تعجب ہے کہ ایک تعلیم یافتہ مہذب پروفیسر اور آدم خور؟ میں تو آدم خور کے وجود کا قائل ہی نہیں تھا۔'' تنویر نے حیرت سے کہا۔

''میں ایک امریکی سیاح کی کتاب میں پڑھ چکا ہوں۔ جنوبی افریقہ کے گھنے جنگلوں میں کوہِ ڈمبالو کے سلسلے کے پیچھے ایک ایسا دہشتناک مقام ہے جہاں قدم رکھتے ہی انسان کی روح فنا ہوتی ہے۔ ان پہاڑوں کے اس طرف کوئی نہیں جاتا اور چلا جائے تو زندہ نہیں لوٹ سکتا۔ یہ آدم خور اسی دہشتناک علاقے میں رہتے ہیں، لیکن کوئی نہیں جانتا کہ کس طرح اور کہاں۔ خود اس کتاب کے مصنف کے تین ساتھیوں کو وہ بھون کر کھا گئے تھے اور وہ اکیلا معجزے کی طرح بچ کر نکل آیا تھا۔'' خان نے بتایا۔

''باپ رے۔'' تنویر کی روح فنا ہوئی جا رہی تھی۔

''وہ گہرے نیلے رنگ سے مماثلت رکھتے ہوئے سیاہ فام جسم رکھتے ہیں۔ ان کی آنکھیں زرد، چمکیلی اور خوفناک ہوتی ہیں۔ وہ اندھیرے میں شیر کی آنکھوں کی طرح چمکتی ہیں۔ جسم کا درمیانی حصہ جنگلی درختوں کے پتوں سے ڈھکے رہنے کے ماسوا ان کا تمام جسم عریاں رہتا ہے اور تمام موسمی کیفیات میں وہ اسی طرح پائے جاتے ہیں۔ وہ قد آور اور بڑے خونخوار لوگ ہیں۔''

''آپ کو تو سب کچھ معلوم ہے۔''

Akram Allahabadi

''میں نے خاص کر اس باب کو غور سے پڑھا ہے۔''

''لیکن آپ کو یہ شبہ ہوا کیسے؟''

''مجھے پروفیسر نومان کے متعلق راجستھان یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر شکلا سے بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ مثلاً یہ کہ نومان آکسفورڈ کا تعلیم یافتہ تھا۔ اسے ایک انگریز کرنل نے پالا تھا جو اسے افریقہ سے لایا تھا۔ اور یہ کہ نومان کا کوئی عزیز دار ڈربن میں بہت بڑی شخصیت کا مالک ہے۔ اس کا نام لارڈ ٹیکاما ہے۔'' خان نے بتایا۔

''پروفیسر نومان اپنے فطری رجحان کے مطابق شعبۂ تحقیق حیوانات سے گہری دلچسپی رکھتا تھا اور اسی شعبے کا وہ انچارج بھی تھا۔ نندیرا کے کھنڈروں سے پوشیدہ خزانوں کا کافی قیمتی حصہ لے کر ہندوستان سے فرار ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے مسٹر شکلا سے حاصل کردہ ان ہی معلومات کی بنیاد پر ڈربن کا سفر کیا ہے، کیونکہ وہ یقیناً ٹیکاما کے پاس آیا ہوگا، یا آئے گا۔ یہی علاقے اس اس کیلیے سب سے بہتر جائے پناہ ہو سکتے ہیں۔ اور پھر لارڈ ٹیکاما اس کا عزیز ہے۔'' خان اس قدر تفصیل بتانے کے بعد ٹانگیں پھیلا کر صوفے میں دھنس گیا اور تنویر اور بالے سوچتے رہے۔ اس ادھیڑ بن میں تنویر کو پھر اپنا سوال یاد آ گیا۔

''مگر تم یہاں تک کیسے پہنچے، مردود۔'' اس نے اب کی بار خود بالے سے ہی پوچھا۔

''تمہارے ساتھ ساتھ۔ میں عالمگیر پر ہی موجود تھا، بیٹا جرنلسٹ۔'' بالے نے بتایا۔

''ہاں، میں نے اس لیے انھیں علیحدہ رکھا تھا کہ اگر کہیں ہم مجرموں سے براہِ راست تصادم میں آجائیں تو یہ اپنا کام جاری رکھ سکیں۔ یہ کینٹین میں ویٹر تھے۔'' خان نے بتایا۔

''ویٹر؟ یہ اسی قابل ہے۔'' تنویر نے کہا۔

''ابے او اخروٹ، کیا اپنی طرح نکما سمجھا ہے مجھے۔''

''افوہ،تم پھر سوتیلے بھائیوں کی طرح لڑنے لگے۔''خان نے دونوں کو ڈانٹا۔

''خیر خیر نہیں لڑتے،پھر نپٹ لیں گے۔''تنویر نے اس کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔

''ہاں،فرمایئے پھر آپ کا کیا پروگرام ہے۔''

کل ایک کارگوشپ یہاں پہنچ رہا ہے۔تنویر،تم نے عطاشی میں ان لوگوں کے جو مکالمے سنے تھے،وہ ضرور اسی کی طرف اشارہ ہیں۔کل تمہیں پورٹ کی نگرانی کرنی چاہیے اور میں خود لارڈ ٹیکاما کی خبر لوں گا۔''اس نے ہدایت کی۔

''کارگوشپ سے تو خالی سامان آتا ہے؟''

''تمہیں جو بتایا جا رہا ہے،وہ کرو۔عطاشی پر ملنے والے پراسرار آدمیوں میں سے کچھ تمہیں ضرور وہاں ملیں گے،بس ان کی حرکات وسکنات پر گہری نظر رکھنا۔''

''بہت خوب،مگر اب ہمیں سو جانا چاہیے،ہم بہت تھک چکے ہیں۔''

''ہاں،ٹھیک ہے۔''خان بھی یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پراسرار پارسل

مال بردار جہاز 'کانسٹلر' دن کے دس بجے گودی میں آ لگا۔ یہ جہاز آسٹریلیا سے ہندوستان و پاکستان اور خلیج فارس پر ہوتا ہوا یہاں آیا تھا۔ پورٹر کارگوشپ میں لدا ہوا سامان اتار رہے تھے اور بھاری سامان سب کرینوں کے ذریعے جہاز سے گڈس شیڈ میں اتارا جا رہا تھا۔ فورمین شیڈ میں شیر رنگ پٹ کے پاس کھڑا پیکنگز کو چیک کر رہا تھا۔ اتنے میں کرین سے اتارا ہوا ایک چھ فٹ لمبا اور ۲ فٹ چوڑا بکس پورٹر ٹرالی میں رکھ کر پٹ پر لے آئے۔ اصول کے مطابق وہاں پر سامان پٹ پر تول کر اس فہرست میں ملایا جاتا تھا جو جہاز سے آنے والی اشیاء کی تفصیل پہلے سے وصول ہو جانے پر مرتب کی جاتی تھی۔ گودام کے ایک کونے میں کھڑا ہوا ایک بھدی شکل کا آدمی، جس نے موٹے کھدر کا شیروانی کا سوٹ پہن رکھا تھا، غور سے اس بکس کو دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ شیڈ کے باہر ایمبولینس کار کی طرح ایک بند ٹرک کھڑا ہوا تھا۔ پٹ پر لائے جانے والے اس چھ فٹ کے بکس پر وصول کرنے والے کا نام گارڈوٹیکا ماقصرالتمر ڈربن لکھا ہوا تھا۔ شیڈ کے ایک دوسرے حصے سے جوٹ کی گانٹھوں کی آڑ سے ایک دوسرا آدمی بھی نکل کر سامنے آ گیا۔ پہلے شخص نے اسے کچھ اشارہ کیا اور وہ دونوں پٹ کی طرف بڑھنے لگے۔ اتنے میں ایک تیسرا آدمی گانٹھوں کی دوسری طرف کھڑا نظر آیا۔ ''وہ تیار ہے۔'' پہلے نے اس سے کہا۔

''وہ رکھا ہے۔'' اس نے دو بڑی گانٹھوں کے بیچ میں رکھے ہوئے ایک صندوق کی طرف اشارہ کیا۔ یہ صندوق بالکل ویسا ہی تھا جو صندوق پٹ پر لے جایا گیا تھا۔

''پہلے سے بدل لینا تھا۔'' دوسرا بولا۔

''موقع ہی نہیں ملا۔'' اس نے جواب دیا۔

''خیر، ہم دیکھتے ہیں، تم تیار رہنا، بس اشارہ ہوتے ہی۔'' یہ کہہ کر وہ دونوں اسے وہیں چھوڑ کر شیر رنگ پٹ کے نزدیک آ گئے۔ فورمین اس وقت تک اس بکس کو تول چکا تھا۔ وہ بار بار لسٹ کو دیکھ کر کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

''ہم اس بکس کی ڈلیوری لینے آئے ہیں۔'' ان میں سے ایک نے فورمین سے کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ آپ کو ٹھہرنا پڑے گا۔ ہمیں وصول ہونے والی تفصیل کے مطابق یہ بکس دوگنا وزن رکھتا ہے۔ میں اسے کھول کر دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے شک ہے۔'' فورمین نے کہا۔

''تم جانتے ہو یہ کس کا پارسل ہے؟'' ایک نے ترش لہجے میں کہا۔

''اس پر نام لکھا ہوا ہے، بتانے کی ضرورت نہیں۔'' فورمین کا لہجہ بھی سخت ہو گیا۔

''اف، ٹیکاما کی یہ توہین۔'' ان میں سے ایک بظاہر غصے میں بپھر گیا۔

''آپ لوگوں کو یہاں کس نے آنے دیا۔ جایئے، ڈلیوری کلرک سے بات کیجیے۔'' فورمین اور چڑ گیا۔

''اے بڈھے۔'' ان میں سے ایک آدمی نے یہ کہہ کر طیش میں ایک بھرپور گھونسہ ادھیڑ عمر فورمین کی کنپٹی پر دیا۔ گھونسہ اتنا طاقتور تھا کہ فورمین چکرا کر گر پڑا۔

''جلدی کرو۔'' دوسرا بولا۔ اور ان کا اشارہ پاتے ہی وہ تیسرا چھپا ہوا آدمی ٹرالی پر نقلی صندوق رکھ کر تیزی سے اسے دھکیلتا ہوا قریب لے آیا۔ انھوں نے بڑی پھرتی سے بکس بدل لیے، اور نقلی صندوق کو اصل کی جگہ چھوڑ کر وہ آدمی ٹرالی پر ہی اصلی بکس کو لے کر دروازے کی طرف دوڑا۔ عملے کے صرف دو آدمی اور یہاں آ گئے تھے، جن کی وجہ سے ان دونوں کو چھپ جانا پڑا۔ اور جب وہ دو آدمی ادھر ادھر پیلنکر کی دیکھ بھال کرتے ہوئے ایک جگہ ٹھہرے تو ان کے دو ساتھیوں نے پشت سے ان پر حملہ کر دیا۔ وہ کسی غیر متوقع حملے کیلیے قطعی تیار معلوم نہ ہوتے تھے، اس لیے پہلے ہی وار میں بے ہوش ہو گئے۔ تیسرے آدمی نے ٹرالی دروازے سے

باہر نکالی اور اپنے ایک ساتھی کی مدد سے اس بکس کو اتار کے اس بند گاڑی میں چڑھا دیا، جس میں اگلی سیٹ پر ایک ڈرائیو بیٹھا اونگھ رہا تھا، ان کی آواز سن کر چونک پڑا اور بکس کے گاڑی میں رکھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔ ان کے ساتھی بھی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ نقلی صندوق کو اصلی کی جگہ رکھ دیا گیا اور وہ تیسرا ساتھی اپنے اسی لباس میں ادھر ادھر ٹہلتا ہوا شیڈ سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد فورمین کو ہوش آ گیا، لیکن بکس کو وہیں موجود پا کر وہ زیادہ گھبرایا نہیں، البتہ اس نے ان آدمیوں کو تمام شیڈ میں تلاش کروایا، لیکن وہ تو جا چکے تھے۔ اتنے میں ایک سیاہ رنگ کی کار پر دو آدمی آ پہنچے۔ وہ وضع قطع سے شریف لوگ معلوم ہوتے تھے۔ پہلے انھوں نے گودام کے ایک کلرک سے کچھ دریافت کیا، اس کے بعد وہ فورمین کے نزدیک آ گئے۔ ان میں سے ایک نے جیب سے کنسائن منٹ نوٹ و بلٹی نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

''ہمارا بکس آ گیا ہے نا؟''

فورمین نے حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔ ''آپ لارڈ ٹیکا ما کے آدمی ہیں تو پھر وہ کون تھے؟'' اس نے پوچھا۔

''آپ کس کا ذکر کر رہے ہیں، ہم سمجھے نہیں۔'' ایک نے جواب دیا۔

''وہی جو کچھ دیر پہلے یہ بکس لینے آئے تھے اور بیہودگی کا بدترین مظاہرہ کر کے گئے ہیں۔''

''ہمیں افسوس ہے کہ آپ سے دھوکہ دہی ہوئی ہے۔ وہ ضرور کوئی بدمعاش ہوں گے۔'' دوسرے آدمی نے جواب دیا۔

اس کے بعد فورمین نے انھیں بتایا کہ وہ اس بکس کا معائنہ کر لینا چاہتا ہے، کیونکہ فہرست میں درج وزن سے اس کے وزن میں فرق ہے۔ اس پر وہ دونوں تھوڑی سی جھک جھک کے بعد راضی ہو گئے اور ایک کسٹم افسر کے سامنے بکس کھولا گیا۔ اس میں ایک لمبا سا تانبے کا بت رکھا تھا، جس کی شکل کسی قدیم مصری دیوتا کے مجسمے سے ملتی تھی۔ فورمین نے اپنی تسلی کے بعد بکس ان کے حوالے کر دیا۔ وہ اسے احتیاط سے اٹھوا کر کار میں رکھ کر لے گئے، جیسے یہ مورتی

ان کے ہی دیوتا کی ہو۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

زندہ لاش

ہیلو، کون بالے؟ ہاں، میں بول رہا ہوں، خان۔'' خان نے فون کا رسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

''دو آدمی ابھی ایک بکس گودی کے شیڈ سے لارڈ ٹیکاما کے نام سے لے گئے ہیں جو مصری طرز کا ایک مجسمہ تھا، لیکن ان سے پہلے دوسرے آدمی اصل بکس غائب کر چکے تھے اور انھوں نے ہی فورمین کو بے ہوش کر کے اصل بکس کی جگہ یہ دوسرا بکس رکھ دیا تھا۔''

''وہ اسے کہاں لے گئے ہیں؟'' خان نے پوچھا۔

''تنویر پہلے آدمیوں کے تعاقب میں گیا ہے، میں شیڈ میں موجود ہوں تا کہ بعد کے حالات دیکھ سکوں۔'' بالے نے بتایا۔

''تو ضرور پہلا صندوق لارڈ ڈومیکا کے یہاں لے جایا گیا ہے، دوسرا صندوق محض ایک فریب ہے جو فورمین کا شبہ دور کرنے کیلیے کھیلا گیا ہے۔ بہر حال تم اب مجھے گرین ہوٹل کے چوراہے پر ملو، میں ابھی آ رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر خان نے رسیور رکھ دیا اور اسی وقت کپڑے تبدیل کر کے اس چھوٹی نیلی کار میں روانہ ہو گیا جو نجی طور پر رشید گا گا نے ان کے استعمال کیلیے دی تھی۔

بالے گرین روڈ کے چوراہے پر ایک بس اسٹینڈ کے قریب اس کا انتظار کرتا ہوا مل گیا۔ خان نے اب کار کا رخ لارڈ ٹیکاما کی قیام گاہ پر قصر التمر کی طرف کر دیا۔ ابھی وہ قصر التمر سے دو فرلانگ دور تھے کہ بالے چونک پڑا۔ پھر وہی سرخ روشنی ان کا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ کار کو اپنے دائرے میں لیے ہوئے تھی۔ سڑک سونی تھی اور فٹ پاتھ پر اکا دکا مسافر، یا راستے میں ایک دو کاریں یا ٹرک ملے، لیکن وہ اس روشنی کی طرف توجہ کیے بغیر ہی گزر گئے۔

Akram Allahabadi

''میرے خیال میں ہمیں اسی طرف چلتے رہنا چاہیے، لیکن یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔'' بالے نے پوچھا۔

''یہ گاڑی سے علیحدہ چل کر معلوم کیا جا سکتا ہے، بہر حال اس وقت رکنا یا گاڑی سے اترنا خطرناک ہوگا۔'' خان نے گاڑی کی رفتار ہلکی کرتے ہوئے جواب دیا۔

اتنے میں سامنے سے آتی ہوئی ایک موٹر سائیکل ان کی کار کے نزدیک آ کر رک گئی۔ اس پر کوئی سفید فام پولیس افسر سوار تھا۔ وہ سرخ روشنی غائب ہو چکی تھی۔

''ابھی سرخ روشنی آپ کی کار کے ساتھ دوڑ رہی تھی؟'' اس نے آتے ہی پوچھا۔

''دیکھا تو ہم نے بھی ہے، مگر یہ ہے کیا بلا، یہ نہیں معلوم۔'' خان نے جواب دیا۔

''بہت بری بلا ہے، میں خود اس کا سراغ لگانے کی کوشش میں ہوں، کیونکہ یہ روشنی کبھی کبھی اتفاق سے دیکھی جاتی ہے، لیکن یہ جس کے ساتھ چلتی ہے، اس کی جان محفوظ نہیں رہتی۔ وہ کسی نہ کسی وقت ختم کر دیا جاتا ہے۔'' پولیس افسر نے بتایا۔

''میرا بھی یہی شبہ ہے۔'' خان نے کہا۔ ''لیکن میں جلد ہی اس کا راز معلوم کر لوں گا۔''

''آپ، آپ لوگ کون ہیں؟'' پولیس افسر نے استفسار کیا۔

''ابھی صرف اس قدر ہی سمجھ لیجیے، پھر کسی وقت مل کر ہم تفصیلی بات کریں گے۔'' یہ کہہ کر خان نے اپنا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ اسے دکھا دیا۔

''اوہ، مسٹر خان، آپ کیلیے تو ہمیں پیشگی اطلاع مل چکی تھی کہ آپ یہاں کسی خون کے ملزم کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔ ہمیں آپ کی ہر ممکن مدد کی ہدایت کی گئی ہے۔ میرا نام سارجنٹ ڈگلس ہے۔'' اس شخص نے بتایا۔

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر، اور یہ میرا اسسٹنٹ سارجنٹ بالے ہیں۔'' خان نے اس سے ہاتھ ملا کر بالے کا بھی تعارف کرا دیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش

ہوئے۔

''میری رائے میں اس وقت آپ آگے نہ جایئے، بلکہ پیچھے پلٹ کر کسی دوسرے طریقے سے اپنا کام جاری رکھیے۔'' سارجنٹ ڈگلس نے کہا۔

''ہم اس اسرار کو معلوم کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔''

''میں آپ کا مطلب سمجھ گیا، ٹھیک ہے یہ خیال۔'' یہ کہہ کر اس نے کار پلٹائی۔ سارجنٹ ڈگلس پھر ملاقات کا وعدہ کر کے ان سے رخصت ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

قصر التمر

ایک اور بھی راستہ جاتا ہے قصر التمر کو، لیکن اس میں کافی پھیر کھا کر جانا پڑتا ہے۔ خان نے کار دوسری سڑک پر گھماتے ہوئے کہا۔

''تنویر وہاں اکیلا پھنسا ہوگا، ہمیں کسی طرح وہاں جانا چاہیے ورنہ اندازے کے مطابق بڑے خونخوار لوگ معلوم ہوتے ہیں۔'' بالے نے مشورہ دیا۔

''ہاں چل تو رہے ہیں۔'' خان نے بات مختصر کر دی۔

مختلف سڑکوں سے گھومتے ہوئے وہ بالآخر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں قصر التمر کے نزدیک پہنچے۔ خان نے کار دور ہی ایک فرانسیسی ریسٹورینٹ کے سامنے روک لی اور ریسٹورینٹ کے ایک دروازے میں گھس کر وہ دوسرے دروازے سے باہر نکل گئے۔ اب وہ قصر التمر تک کا راستہ پیدل طے کر رہے تھے جو زیادہ سے زیادہ نصف فرلانگ تھا، لیکن ان کی رفتار سے ایسی لاپرواہی ٹپک رہی تھی جیسے وہ بغیر کسی مقصد کے محض ٹہلتے ہوئے ادھر جا رہے ہوں۔ ابھی وہ قصر التمر کے دروازے کے نزدیک ہی پہنچ رہے تھے کہ انھیں اندر سے بھاگ کر نکلتا ہوا تنویر دکھائی دیا۔ وہ میک اپ میں تھا، اس کے پیچھے دو سیاہ فام اور نیم عریاں حبشی تھے جو اسے پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن جب وہ دروازے سے باہر نکل گیا تو وہ دونوں دروازے پر ہی کھڑے ہو کر اسے سرخ سرخ آنکھوں سے گھورنے لگے۔ تنویر نے ان کی طرف پلٹ کر دیکھنے کے بعد دوڑ کر خان کا دامن تھام لیا۔ وہ خان کو پہچان گیا تھا، پھر بھی انجان بن رہا تھا۔

''خدا کیلیے بھائی مجھے ان جنگلی بھینسوں سے بچاؤ، یہ میری چٹنی بنانا چاہتے ہیں۔'' وہ گھبرائی ہوئی اونچی آواز میں التجا کرنے لگا۔ اور پھر دبے لہجے میں بولا۔ ''اس بکس میں ایک

لاش تھی،انھوں نے اندر اسے ایک بند کمرے میں لے جا کر کھولا ہے۔میں اندر روشندان سے جھانک رہا تھا۔''

وہ سیاہ حبشی اب بھی اسے گھور رہے تھے۔

''میں اس عمارت کو سرائے سمجھ کر گھس گیا تھا،اس قصور میں وہ مجھے یہ لوگ کچا کھا جانا چاہتے ہیں۔''وہ پھر اونچی آواز میں کہنے لگا۔''جیسے میں نے ان کے باپ کا گھر لوٹ لیا ہے۔''

حبشی اس کے یہ مکالمے سن کر پلٹنے لگے،تنویر نے آواز پھر دھیمی کر دی۔''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ زندہ لاش نومان کی تھی۔اس کے جسم پر مالش کر کے اور اس کے سینے کو دبا دبا کر یہ لوگ ہوش میں لے آئے ہیں۔''

''اس وقت وہ کہاں ہے؟''

''اندر موجود ہے۔''

''ہمیں اس کے وارنٹ پر یہاں کی باقاعدہ سرکاری تصدیق حاصل کرنی ہوگی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ کمبخت ضرور ڈربن آئے گا۔''خان کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''تو پھر وہ ڈاکٹر کون تھا؟''بالے نے پوچھا۔

''وہ نومان نہیں ہوسکتا،نومان کو اس بند صندوق میں یہاں بھیجا گیا ہے اور ڈاکٹر ضرور اس سے،یا اس کے آدمیوں سے کوئی تعلق رکھتا ہوگا،کیونکہ وہ آدم خور تھا۔''خان نے بتایا۔ ''بہت ممکن ہے وہ ان ہی انتظامات کیلیے یہاں سے بھیجا گیا ہو اور ایس ایس عالمگیر سے ہی واپس آرہا ہو۔''خان نے کہا۔

''بالے،تنویر پہچانا جا سکتا ہے،تم کس طرح اس قصر میں داخل ہو کر اندر کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کرو،میں نومان کے وارنٹ پر تصدیق کرانے جاتا ہوں۔اور تنویر،تم گرین ووڈ ہوٹل جاؤ گے۔''

''گرین ووڈ کیوں؟''تنویر نے سوال کیا۔

Akram Allahabadi

''تمہیں وہ برمی شکاری اور جادوگر کارڈو وہیں ملیں گے۔''

''لیکن وہ تھیٹر عطاشی...؟'' تنویر نے کہنا چاہا۔

''یہ تھیٹر کا وقت نہیں، وہ لوگ اکثر شام کو گرین ووڈ میں ہی جمع ہوتے ہیں۔'' خان نے بتایا۔ ''تم وہاں پہنچ کر دیکھو کہ مس لوسیا ان کے ساتھ ہے کہ نہیں، اور کوشش کرو کہ ان لوگوں کی موجودہ سرگرمیوں کے بارے میں تمہیں مزید معلومات حاصل ہوسکیں۔'' اس نے ہدایت کی۔

''یہاں سے اس طرح تقسیم ہونا اچھا نہیں، چلیے واپس چلیں پہلے۔'' بالے نے رائے دی۔ اور پھر تینوں پلٹ پڑے۔ وہ ایک تنگ راستے سے گزر کر اس فرانسیسی ہوٹل میں داخل ہو گئے، جس کے سامنے ان کی کار کھڑی تھی۔ اس کے ایک پرائیوٹ پارٹیشن میں بیٹھ کر انھوں نے تین کپ کافی کا آرڈر دیا اور پھر آپس میں گفتگو کرنے لگے۔

''ہاں تو تم نے اندر اور کیا کیا دیکھا؟'' خان نے پوچھا۔

''ٹیکاما کا قصر اندر سے قدیم طرز پر سجا ہوا ہے۔ جانوروں اور پرندوں کی تصویروں سے مزین، قالین اندر دیواروں تک پر لگے ہوئے ہیں، البتہ فرنیچر کچھ جدید کچھ پرانا ہے۔ اس کا رہن سہن شاہانہ ہے۔ اندر بہت سے سیاہ فام حبشی غلام نوکر بڑی تعداد میں موجود ہیں اور جس وقت نومان کی زندہ لاش اس صندوق سے نکالی گئی تھی تو وہ سب مؤدب کھڑے تھے، اور جس وقت نومان ان کی کوئی خاص دوا پی کر ہوش میں آیا ہے تو سوائے لارڈ ٹیکاما کے باقی تمام لوگ اس کے سامنے جھک گئے تھے۔

''نومان اور لارڈ ٹیکاما میں کچھ گفتگو تو ہوئی ہوگی۔'' خان نے سوال کیا۔

''پہلے تو وہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے، بعد میں وہ آپس میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ کبھی کبھی اچھی خاصی زبان بولنے لگتے تھے اور کبھی اپنی عجیب سی جنگلی زبان، لیکن نومان اس زبان کے بولنے میں کہیں کہیں ہچکچا جاتا تھا۔ لارڈ ٹیکاما بھی انگریزی بول لیتا ہے، کیوں کہ

انھوں نے اکثر جملے انگریزی میں بھی ادا کیے تھے اور میں ان سے ہی ان کی گفتگو کا مقصد سمجھ پایا۔

''آخر باتیں کیا ہوئیں ان کے درمیان؟'' خان نے اپنا سوال دہرایا۔

''نومان کہہ رہا تھا ہندوستان سے میرے پیچھے جاسوس لگے ہوئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ یہاں تک ضرور پہنچیں گے، اس لیے مجھے جلد از جلد یہاں سے نکال کر سالمو پہنچا دیجیے، وہاں نہ کوئی پہنچ سکتا ہے، نہ مجھے پا سکتا ہے۔ اس پر ٹیکا مانے اسے یقین دلایا کہ وہ اسے دو تین دن میں ہی شکاریوں کے ایک قافلے کے ساتھ دمبالو کی طرف اپنے آدمیوں کی معیت میں روانہ کر دے گا اور اس سے پہلے وہ اسے ایک شاندار بڑی دعوت دینا چاہتا ہے، جو شاید کل ہی ہو گی، ممکن ہے آج رات کو، کیونکہ اس نے اس وقت اپنے آدمیوں کو بلا کر تیار رہنے کا حکم دیا تھا۔'' تنویر نے بتایا۔

''میں یہ بڑی دعوت کا نام دو بار سن چکا ہوں۔'' بالے نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ کو اس میں بھی کچھ کالا پیلا نظر آتا ہے؟'' بالے بول پڑا۔

''مجھے تو شبہ ہے کہ یہ لوگ آج بھی چوری چھپے آدم خوری کرتے ہوں گے۔ منہ کو لگا ہوا خون نہیں چھوٹتا، اور خاص کر آدمی کا۔'' خان کہنے لگا۔

''بھئی، یہ گفتگو بڑی بھیانک ہوتی جا رہی ہے، خدانخواستہ ہم لوگ یہاں اس لیے تو نہیں آئے کہ ہمارے کباب بنا کر کھائے جائیں۔'' بالے نے اپنے اندیشے کا اظہار کر ہی دیا۔

''تمہارے کباب بنا کر تو میں کھاؤں گا، بقول...''

''دفع ہو جاؤ، ہمیں اور بھی کام کرنے ہیں۔''

''آپ شاید بھول رہے ہیں کہ یہ ہندوستان نہیں ہے، ہم یہاں بالکل اجنبی ہیں اور پھر ان کی زبان سے واقف نہیں۔'' بالے نے عذر پیش کیا۔

''تم اکیلے نہیں رہو گے، میں ابھی اسی لیے جا رہا ہوں تا کہ یہاں کے حکام سے مل

کراب اس کام میں باقاعدہ یہاں کی پولیس کی مدد حاصل کی جائے۔ معلوم ہے ان کی کافی تعداد یہاں موجود ہے اور پھر بعض سلسلے ایسے ہیں جن پر ہم علی الاعلان ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔" خان نے کہا۔

بیرا کافی لے آیا تھا۔ وہ اپنی گفتگو روک کر کافی پینے لگے۔ کافی پی چکنے کے بعد سارجنٹ بالے پچھلے دروازے سے قصر التمر کی طرف روانہ ہوگیا، اور تنویر اپنی کار میں بیٹھ کر چل دیے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

محبوبہ کے کباب

''لوسیا کہاں ہے؟'' خان نے کارڈو کا ایک ہاتھ اس کی پشت پر کس کر موڑتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں جانتا۔'' کارڈو نے ٹیڑھا سا جواب دیا۔

''اس طرح نہیں مانوں گے۔'' خان جھنجلا گیا۔

''لیکن ماننے والی بات کوئی ہو، وہ ٹیکاما کی محبوبہ ہے اور اس کے پاس گئی ہوگی۔'' کارڈو نے جلا ہوا سا جواب دیا۔

''میں اگر چند الفاظ عطاشی پر نہ سن چکا ہوتا تو اس وقت تمہیں گرفتار ضرور کروا دیتا۔'' خان نے کہا۔

''اوہ، تو تم ہی تھے، ہم سمجھے تھے کہ تم کوئی چور بدمعاش ہو۔'' وہ کہنے لگا۔

''اور اسی لیے تم نے پستول استعمال کیے تھے۔'' خان نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کہا۔ ''میں محض ناکافی ثبوت کی بنا پر اس وقت تمہیں چھوڑ رہا ہوں، لیکن میری دسترس سے دور نہ رہ سکو گے۔'' خان نے اسے وارننگ دی۔ ''میں جانتا ہوں کہ لوسیا ہپناٹزم کے زیرِ اثر تھی اور اسی کیفیت میں وہ عطاشی سے لے جائی گئی تھی۔'' خان نے کہا۔

''یہ آپ کا خیال ہوسکتا ہے، میرا جرم نہیں۔ میں ایک عزت دار شریف آدمی ہوں۔'' کارڈو نے لہجے میں زور پیدا کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ہونہہ، شعبدے باز، جادوگر اور معزز؟'' خان یہ کہہ کر حقارت سے اسے دیکھتا ہوا عطاشی سے باہر نکل آیا۔ اس وقت عطاشی میں چڑیا کا بچہ بھی نہ تھا۔ سوائے کارڈو اور اس کے چند نوکروں کے، شوگرلز بھی سب اپنے وقت پر آیا کرتی تھیں، البتہ دو بوڑھے پینٹرز اسٹیج کے

Akram Allahabadi

نئے پردے رنگ رہے تھے۔شام ہوتے ہی ہوتے ڈربن کی سی آئی ڈی پولیس کے آدمی خان کے اشارے پر قصرالثمر کے چاروں طرف پھیل گئے۔تنویر تمام ڈھونڈ آیا،مگر وہ برمی شکاری اور گرین ووڈ میں تینوں سے لڑ پڑنے والا کارڈوکا ساتھی اسے کہیں نہ ملے۔لارڈ ٹیکاما کی حیثیت ایسی نہ تھی کہ اس پر زیادہ آسانی سے ہاتھ ڈالا جا سکے، پھر بھی ہنگامی حالات کے تحت اس کے خلاف کوئی اقدم کرنے کیلیے ڈربن کے پولیس کمشنر نے کل ڈپلومیٹک اسٹیٹ ریلیشنز کے محکمے سے اسے اجازت نامہ حاصل کر کے دینے کا وعدہ کیا تھا۔اگر ہندوستان ہوتا تو اس نے فوری احکامات حاصل کر لیے ہوتے،لیکن یہاں جنوبی افریقہ کی حکومت کے تعلقات ہندوستان سے زیادہ اچھے بھی نہ تھے۔وہ تو دولتِ مشترکہ کے ناتے اور بین الاقوامی باہمی تحفظ قانون وامن کے تمام قوموں اور ملکوں کے تسلیم کیے ہوئے منشور کے تحت انھیں اتنی بھی شہولتیں مل رہی تھیں، ورنہ شاید انھیں مقامی پولیس کا تعاون حاصل نہ ہوسکتا اور خان یہ عہد کر کے ہندوستان سے چلا تھا کہ وہ پروفیسر ارسلان کے قاتل پروفیسر نومان کو گرفتار کر کے ہی لائے گا۔وہ بات کا بڑا دھنی تھا اور اپنے مقصد کی تکمیل کے بغیر وہ یہاں سے لوٹ بھی نہ سکتا تھا۔

رات ہوتے ہوتے اس علاقے میں سناٹا چھا گیا جیسے یہاں انسان بستے ہی نہ ہوں۔سڑکیں ویران ہوگئیں،دکانیں بند اور ہوٹل بند ہو گئے اور گلابی سردی کے موسم کی وجہ سے مکانوں کی کھڑکیاں ت بند ہوچکی تھیں۔عجیب منظر تھا۔ہر طرف ایک سوہانِ روح،ایک ڈراؤنی تاریکی۔خفیہ پولیس کے سفید پوش مسلح آدمی قصرالثمر کے چاروں طرف احاطے کی منڈیر اور باغیچے کی جھاڑیوں کی آڑ میں مستعد موجود تھے،لیکن ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جس پر شبہ کیا جا سکے۔قصر کے اندر نومان موجود تھا اور خان اندر گھس کر اسے پکڑ نہیں سکتا تھا، کیونکہ ٹیکاما کے قصر میں داخلے کیلیے پولیس کمشنر سے اجازت نامہ ملنے میں ابھی ایک دن باقی تھا۔خان بھی قصر کے گرد چکر لگا رہا۔بالے چوروں کی طرح قصر کی چھت پر چڑھ کر روشندانوں سے اندر کے حالات کا مطالعہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس طرح رات گزرتی جا رہی تھی۔

تاریکی بڑھتی جارہی تھی اور فضاؤں پر طویل بھیانک سناٹا مسلط تھا۔

تقریباً ایک بج رہا تھا رات میں جب اچانک اندر سے کسی کی تیز مگر نسوانی چیخ سنائی دی۔ چیخ سنتے ہی وہ سب چیخ پڑے۔ خان تیزی سے دوڑتا ہوا قصر کے احاطے میں گھس گیا۔ اس کے پیچھے مقامی سارجنٹ ڈگلس بھی تھا۔ جیسے ہی وہ احاطے کو عبور کر کے راہداری میں گھسے، اچانک دونوں طرف سے کسی نے ان کی گردنیں اپنی گرفت میں لے لی تھیں۔ خان کو اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا۔ ڈگلس کے منہ سے بھی آواز نہ نکل سکی۔ خان کا ایک ہاتھ اب بھی آزاد تھا۔ بڑی طاقت سے جسم کو کسی قدر آگے کی طرف جھکا کر اس نے اپنا ہاتھ اس حبشی کے چہرے پر الٹا مارا، جس سے وہ ایک عجیب سی آواز میں چیخ اٹھا اور اس نے اپنا طاقتور گھٹنا خان کی کمر میں زور سے مار دیا۔ خان درد سے کراہ اٹھا۔ اس کی عجیب سی کیفیت ہوگئی۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری۔ دوبارہ اس کا ہاتھ اپنے کوٹ کی جیب میں جا پہنچا، لیکن اسے یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ وہ حبشی اپنے دوسرے ہاتھ سے اس کی جیب سے پستول نکال چکا تھا۔ اپنی عجیب آواز میں بڑبڑاتے ہوئے وہ اپنی گرفت سخت کرتا رہا، یہاں تک کہ خان کی سانس رک چلی۔ اندر سے اسی ووقت دو نسوانی چیخیں اور سنائی دیں۔ ادھر ڈگلس کی بھی یہی کیفیت ہو رہی تھی، لیکن ٹھیک اسی وقت آپ سے آپ خان کی گردن کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ حبشی خوفناک آواز میں دھاڑتا ہوا اسے چھوڑ کر پلٹا۔ خان نے گردن اور سر کو دو تین جھٹکے دے کر پلٹ کر دیکھا تو حبشی دیوار کی طرف ہٹتے ہوئے تنویر پر حملہ کرنے والا تھا۔ تنویر نے اس حبشی کی پیٹھ میں خنجر بھونک دیا تھا اور خنجر اب تک اسی طرح پیوست تھا۔ خان پھرتی سے اس پر جھپٹا اور اسے اس زور سے دھکیلا کہ وہ جھونک میں دیوار سے جا ٹکرایا اور وہیں ڈھیر ہوگیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے حبشی نے ڈگلس کو چھوڑ دیا۔ ڈگلس بے ہوش ہو کر نیچے آرہا اور وہ حبشی خان پر حملہ آور ہوا، لیکن اس وقت تک خان اپنا پستول حاصل کر چکا تھا۔ حبشی کے اوپر آتے ہی اس نے پستول سامنے کر دیا۔

''خبردار، ورنہ تمہاری کھوپڑی کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔'' خان گرجا۔ حبشی ایک

لمحے کیلیے ٹھٹک گیا۔''تنویر،باندھ دواس کمبخت کو۔منہ میں بھی کچھ ٹھونس دینا۔''

چنانچہ پستول کے نشانے پر اسے بے بس کر کے تنویر نے جیب سے سفید سوت کی رسی نکالی اور اسے اچھی طرح کس دیا۔اور پھر اپنا رومال نکال کر اس کے منہ میں رکھ کر اس کا منہ بھی کس دیا گیا۔ڈگلس کو دو تین بار جھنجھوڑنے پر ہی ہوش آ گیا۔اور یہ لوگ راہداری کو تیزی سے عبور کر کے اندر داخل ہو گئے۔اس وقت ایک اور دردناک نسوانی چیخ سنائی دی۔اندر ایک کمرے کا دروازہ ذرا سا کھلا تھا،جس کے اندر کی طرف روشنی ہو رہی تھی۔خان نے جھانک کر دیکھا،وہاں تین سیاہ فام نیم عریاں افریقی ایک گدے دار چوکی پر بیٹھے آپس میں آہستہ آہستہ کچھ گفتگو کر رہے تھے۔اس کمرے میں دوسری طرف دروازہ بند تھا۔ابھی وہ اس کمرے میں داخل ہونے کی ترکیب ہی سوچ رہے تھے کہ پھر ایک دردناک چیخ سنائی دی۔

''گیس استعمال کیجیے نا۔''تنویر نے مشورہ دیا۔ڈگلس باہر راہداری میں نگرانی کر رہا تھا۔

''ٹیوب لائے ہو؟''خان نے پوچھا۔

''کار میں ہے۔''یہ کہہ کر تنویر تیزی سے باہر کی طرف بھاگا اور ایک منٹ گزارے بغیر وہ ایک چھوٹا سا ویکیوم اور ٹیوب لے کر آ پہنچا۔اس ویکیوم میں گیس تھی۔دراصل یہ بیہوشی کی گیس کا کوڈتھا۔وہ افریقی اب بھی اسی طرح بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔انھیں باہر کے حالات کی کچھ خبر نہ تھی۔خان نے ٹیوب کا دوسرا سرا اندر پھینک دیا۔ویکیوم کا پن کش دباتے ہی اس ٹیوب سے ہلکے نیلے رنگ کا دھواں نکل کر کمرے میں پھیلنے لگا۔صرف چند سیکنڈ میں ہی وہ تینوں افریقی حبشی اس چوکی سے لڑھک گئے۔خان اور تنویر اندر داخل ہو گئے۔وہ ان افریقیوں کو بے ہوش چھوڑ کر دوسرے بند دروازے کو کھولنے کی کوشش کرنے لگے۔وہ اندر سے بند تھا۔اس وقت تنویر کی ایک عقلمندی کام آ گئی۔اس نے جیب سے ایک تار کا ٹکڑا نکال کر چابی والے خانے میں ڈال کر اسے دو تین بار ادھر ادھر گھما دیا،جس پر دروازہ کھل گیا۔اس کمرے میں سناٹا

تھا، لیکن دیوار گیر لیمپ روشن تھے۔ وہ محتاط انداز میں اس کمرے کو عبور کر کے اس کے سامنے کی دیوار کے دروازے تک جا پہنچے۔ اس دروازے میں لاک سسٹم نہ تھا۔ جیسے اسے مخصوص طریقے پر بنایا گیا ہو۔ بغیر شور کیے اسے کھولنے کی تمام تر ترکیبیں بیکار ہو گئیں۔ خان یہ دیکھ کر اس کمرے کا دوبارہ جائزہ لینے لگا۔ کمرے کی چھت ۲۰۔۲۲ فٹ اونچی تھی۔ اس دیوار میں اوپر کی طرف ایک روشندان تھا، جو تقریباً ۱۵ فٹ کی بلندی پر تھا۔ اس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور ان کے دوسری طرف روشنی ہو رہی تھی۔ اتنے میں لگاتار دو بار پھر وہی کرب انگیز نسوانی چیخیں سنائی دیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آواز دوسرے کمرے سے آ رہی ہے۔

کسی طرح اس روشندان تک پہنچنا چاہیے۔'' خان نے تنویر سے کہا۔ اور تنویر کمرے کے ایک کونے میں پڑی ہوئی ایک تپائی اٹھا لیا، جس کے اوپر ایک قدیم طرز کی مورتی رکھی تھی۔ خان نے اسے اٹھا کر نیچے پھینک دیا۔ تنویر اس تپائی پر مضبوط کھڑا ہو گیا۔ خان دیوار میں لگی ہوئی رنگین کھونٹیاں پکڑ کر تنویر کے کندھوں پر پیر رکھتا ہوا روشندان تک پہنچ گیا۔ اس نے دوسری طرف جھانک کر دیکھا۔ وہ ایک بڑا سا کشادہ کمرہ تھا، جس میں ایک بھاری بھرکم سیاہ فام اور خوفناک شکل کا آدمی ایک آبنوسی چوکی پر بیٹھا تھا۔ چوکی پر موٹے موٹے رنگین گدے لگے ہوئے تھے۔ دوسری طرف ایک لمبا سا نئے ڈزائن کا صوفہ رکھا تھا اور دائیں باتیں گدے دار گہری کرسیاں تھیں۔ وہ لوگ کوئی چیز نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ صوفے پر بیٹھے ہوئے آدمی کو پہچاننے میں خان کو کوئی دقت نہ ہوئی، وہ نومان تھا۔ اور اس کے پاس والی کرسی پر وہ خطرناک برمی شکاری، دوسری کرسی پر ایک اور کوئی دوسرا آدمی بیٹھا تھا اور چوکی پر یقیناً لارڈ ٹیکا ما ہوگا۔ اور ان سب سے بھیانک تھا وہ منظر جسے دیکھ کر خان نے کچکچا کر آنکھیں بند کر لیں۔

''کمینے درندے۔'' اس کے منہ سے نکلا اور اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں چلا گیا۔ اندر اس خوفناک شکل والے تنومند سیاہ فام آدمی کی چوکی کے پاس ہی ایک چوڑی انگیٹھی میں بڑے بڑے انگارے دہک رہے تھے۔ اور ان انگاروں پر وہ ایک لوہے کی سلاخ کی نوک میں

کوئی چیز کو نچے ہوئے بھون رہا تھا۔

''اف میرے خدا۔'' خان کا جی متلانے لگا۔ ساتھ ہی ایک عجیب سی سنسنی اس دہشتناک منظر کو دیکھ کر اس پر طاری ہونے لگی۔ اندر انگیٹھی کے نزدیک ایک لکڑی یا لوہے کا تقریباً ۷ فٹ لمبا تین فٹ چوڑا تختہ زمین سے کوئی دو فٹ کی اونچائی پر رکھا تھا اور اس تخت پر ایک عورت کسی ہوئی تھی۔ کمرے میں کافی روشنی ہونے کی وجہ سے وہ اچھی طرح دیکھی جا سکتی تھی۔ وہ بھرے ہوئے جسم والی گوری جوان عورت معلوم ہوتی تھی۔ جسم کا رنگ گورا تھا، لیکن اس کے جسم پر جگہ جگہ سے خون رس رہا تھا۔ دونوں ٹانگیں اس کی دونوں ہاتھوں کی کلائی اور دونوں پیر ٹخنوں کے نزدیک فولادی کلیمپ اس کے پیٹ کے گرد ہو کر اسے کمر سے اس تختے کے ساتھ کسے ہوئے تھا۔ ایسا ہی ایک کلیمپ اس کی گردن کو گرفت میں لیے ہوئے تھا۔ اور اس کی ٹانگوں کا زندہ گوشت کاٹ ڈالا گیا تھا۔ اس پر بیہوشی سی طاری تھی۔ بار بار اس کا جسم تھرکنے کی کوشش کرتا اور بے بس ہو جاتا اور اس کی بے بس ہو جاتا اور اس کی بے بسی پر یہ خونی درندے دبے دبے قہقہے لگا رہے تھے۔ اس دردناک منظر نے خان کو بری طرح متاثر کر دیا۔

''کباب بڑے مزیدار ہیں۔'' نومان نے ایک سلاخ کی بوٹی نوچتے ہوئے تعریف کی۔

''بیٹے سگارو، میں تمہیں اپنی محبوبہ کے کباب کھلا رہا ہوں۔'' وہ خوفناک شکل والا آدمی بھدی مکروہ آواز میں بولا۔

''اگر کسی کو معلوم ہو جائے تو الٹے ہمارے کباب بنا ڈالے جائیں گے۔'' نومان نے دبی زبان سے کہا۔

''ہشت، آج تک کوئی مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکا ہے۔ کسی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی اور یہاں ہر سال میں کم از کم تین چار بار ایسی بڑی دعوتیں ہوتی رہتی ہیں۔'' اس بھیانک چہرے والے لارڈ ٹیکا مانے کہا۔

Akram Allahabadi

''مگر میں مطمئن نہیں ہوں ۔تم مجھے دمبالو جلد از جلد بھیج دو، ورنہ وہ کمبخت جاسوس میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آ پہنچیں گے۔''نومان نے کہا۔

''جاؤ تمہیں میرے آدمی ساتھ لے جائیں گے،وہاں تمہیں کوئی نہ پہچان سکے گا۔تم چار پانچ سال کے بچے تھے جب وہاں سے غائب ہوئے تھے۔''لارڈ ٹیکامانے سمجھایا۔

اتنے میں قریب بیٹھے ہوئے اس فرضی برمی شکاری نے جوان کا ساتھی تھا،پاس پڑی ایک خون آلودہ تیز اور چمکدار چھری اٹھا کر اس عورت کے بائیں بازو کا گوشت بڑی بیرحمی سے کاٹنا شروع کیا۔وہ اس غنودگی کی کیفیت میں بھی زبح ہونے والے بکرے کی طرح چیخ اٹھی اور وہ چاروں پر دے قہقہے لگانے لگے۔درندگی کا یہ منظر کبھی خواب میں بھی خان نے نہ دیکھا تھا۔اس کے پیر تنویر کے کندے پر کانپنے لگے۔

''اوخدا، یہ کمینے انسان ہیں،یا...''وہ بڑبڑاتے بڑبڑاتے رہ گیا۔ اس نے اب دوسرے ہاتھ میں پستول سنبھال لی تھی۔اس شخص نے اس لڑکی کے بازو کا پورا گوشت کاٹ ڈالا تھا۔تازہ تازہ سرخ خون اس بڑی بوٹی سے ٹپک رہا تھا۔اس کے بازو سے بہنے والا خون نیچے رکھے ہوئے ایک بڑے طشت میں گر رہا تھا۔وہ تلملا کر پھر ایک بار بڑی زور سے چیخی اور اس کا چہرہ پلٹتے ہی خان چونک پڑا۔وہ لوسیا تھی،جس کی اب جان نکل چکی تھی۔اس کا تھرتھراتا ہوا جسم ڈھیلا پڑ گیا تھا۔اس کے جسم پر اب سینہ،بازوؤں اور کندھوں کے پاس کا گوشت سب کٹ چکا تھا۔اس کے دم توڑ دینے کا ان شیطانوں پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔وہ آدمی اس بوٹی کو جس سے تازہ تازہ خون اب تک رس رہا تھا،ایک سیخ میں لگا کر اسی انگیٹھی پر بھوننے لگا۔لوسیا مر چکی تھی۔اور اس کی اس نچی نچی لاش سے کچھ دور ایسے ہی ایک دوسرے تختے پر پڑی ہوئی نہ جانے کس مرد کی نچی ہوئی لاش بندھی پڑی تھی۔لارڈ ٹیکامانے دونوں ہاتھ سے تالی بجائی۔تالی کی آواز گونجتے ہی اس کمرے کی داہنی دیوار میں آپ سے آپ ایک دروازہ پیدا ہو گیا اور اس میں سے دو سیاہ فام تنومند نیم عریاں حبشی نکلے۔

''لو نیگا۔'' وہ مرد کی لاش کی طرف اشارہ کر کے بولا۔اس کا حکم ملتے ہی دونوں اس کی نچی ہوئی لاش کو اس چوکی پر سے کھول کر لے گئے۔اب صرف لوسیا کی لاش رکھی تھی۔اور وہ خونخوار درندے اب تک اس کے زندہ گوشت کو نوچ نوچ کر بھون کر کھا رہے تھے۔

خان اب برداشت کی کوشش کے باوجود برداشت نہ کر سکا۔لوسیا کا خاتمہ تو بہر حال ہو ہی چکا تھا۔۔۔۔۔لیکن ان تمام خونخوار مجرموں کو قانونی گرفت میں لے لینے کا یہ سب سے اچھا موقع تھا۔اس نے جیب سے پستول نکال کر اس نے روشندان کی سلاخوں میں ڈالتے ہوئے ٹیکاما کے کمرے کی چھت کی طرف فائر کر دیا۔

''خبردار جو کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی جرأت کی۔'' وہ گرجا۔

''ارے باپ رے، میرے کندھے ٹوٹے جا رہے ہیں۔'' نیچے سے تنویر کراہ اٹھا۔

ٹیکاما، نومان اور ان کے دونوں ساتھی پستول کی آواز سنتے ہی اچھل پڑے۔خان نے اسی وقت دوسرے ہاتھ سے وسل جیب سے نکال کر زور سے بجا دی۔فوراً بعد ہی باہر بھاری قدموں کی بھگدڑ سنائی دینے لگی۔

نومان کے تیسرے ساتھی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے کے نیم تاریک گوشے کی طرف بھاگنا ہی چاہا تھا کہ خان کے پستول کے دوسرے فائر نے اسے پیر پکڑ کر گر پڑنے پر مجبور کر دیا۔مگر اس نے گرتے گرتے اپنی جیب سے پرانی ساخت کا ایک بڑا ریوالور نکال کر روشندان پر لگاتار تین فائر کیے۔خان نے ہر بار اپنا سر پھرتی سے جھکا کر اس کے وار خالی کر دیے۔

''او میرے انڈونیشی چچا، میری کمر جھکی جا رہی ہے بوجھ سے۔'' نیچے سے تنویر کی آواز سنائی دی۔اوپر دوڑتے ہوئے قدموں کی بھاری آوازیں قریب آ گئی تھیں۔

''ادھر کھسکو ادھر۔'' سارجنٹ ڈگلس کی آواز سنائی دی۔

''مگر ٹھیک اسی وقت نہ جانے کیا چیز سنسناتی ہوئی تنویر کی پیٹھ پر پڑی اور وہ زور

سے اٹھا اور اس کے گرتے کے ساتھ ہی خان بھی فرش پر آ رہا۔ ان کے گرتے ہی جیسے پوری عمارت میں ایک دم اندھیرا ہو گیا، یا تو مین سوئچ آف کر دیا گیا تھا، یا فیوز اڑا دیا گیا تھا، یا پھر تار کاٹ دیا گیا تھا۔ دوڑتے ہوئے قدم قریب آ گئے۔ خان نے جیب سے ٹارچ نکال کر سب سے پہلے تنویر پر روشنی ڈالی۔ ادھر سامنے سے سارجنٹ ڈگلس کے ٹارچ کی روشنی پڑی۔ تنویر کی پشت پٹھے کے نیچے زخم سے خون بہہ رہا تھا اور ایک پتلا چھوٹے سائز کا تیر اس کی کمر میں اندر گھسا ہوا تھا۔ اسی وقت عمارت کی چھت پر سے فائرنگ کی آواز آئی۔ ساتھ ہی اوپر سے بالے کی وسل سنائی دی۔ چنانچہ باہر پولیس نے بھی چند ہوائی فائر کر کے محاصرے کا اعلان کر دیا۔ بالے کی سیٹی بند ہو گئی۔ نیچے پولیس افسران ٹارچ کی روشنی میں قصر التمر کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ بجلی کی روشنی تو فوری طور پر دوبارہ بحال نہ کی جا سکی، لیکن ان کے پاس کافی بیٹریاں تھیں۔ خان نے تنویر کے زخم سے اندر گھسا ہوا تیر نکالنے کی کوشش کی، لیکن وہ جیسے ہڈی میں گڑ گیا۔ تنویر تکلیف کی شدت سے بیہوش ہو گیا۔

''انھیں گاڑی میں فوراً اسپتال پہنچا دیجیے۔'' خان نے سارجنٹ ڈگلس سے کہا۔ اور ڈگلس کے اشارے پر فوراً تین کانسٹیبل تنویر کو احتیاط سے اٹھا کر باہر چل دیے۔ خان کے ساتھ لوگوں نے اس عمارت کے کونے کونے کی تلاشی لے ڈالی۔ باہر پہلے ہی پولیس کا محاصرہ تھا، اس کے باوجود پوری عمارت میں اندر پڑے ہوئے انھیں تین بیہوش افریقیوں اور راہداری پر بندھے ہوئے ایک حبشی کے سوا کوئی نہ ملا۔ راہداری میں زخمی ہونے والا دوسرا حبشی بھی نہ جانے کہاں غائب ہو چکا تھا۔ پولیس نے لوسیا کی نچی ہوئی لاش پر قبضہ کر لیا۔ اور اسی کمر میں موجود ایک مقفل دروازے کو توڑ کر کھولا تو وہاں ایک تنگ و تاریک سرنگ ملی۔ وہ اس کے اندر گھسے تو انھیں کچھ دور چل کر ایک ایسے کمرے پہنچنا پڑا جس میں نہ جانے کہاں سے ایک عجیب سی تعفن کی بھبک آ رہی تھی۔ ٹارچ کی روشنی میں کافی جستجو کے بعد آخر اس کمرے میں رکھے ہوئے ایک بت کے ہاتھ کو اوپر اٹھا دینے سے ایک طرف کی دیوار میں ایک دوسرے زمین دوز کمرے کا

دروازہ کھل گیا۔اس میں سڑاند کا بھبکا اڑا تو سب نے رومال ناک پر رکھ لیے اور پھر اسی کمرے سے وہ اس میں داخل ہو گئے۔یہاں یہ دیکھ کر ہر ایک پر ایک عجیب سی دہشت کی کیفیت طاری ہو گئی کہ یہاں پہلے ہی سے کئی انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے تھے اور یقیناً ان سب کی موتیں اسی طرح واقع ہو گئی ہوں گی، جس طرح لوسیا کی دردناک موت واقع ہوئی تھی۔ضرور وہ ان درندوں کے بھوک کے شکار ہوئے ہوں گے۔

کہیں اور کوئی ایسا راستہ، یا ذریعہ نہ ملا جس سے ان لوگوں کے فرار، یا روپوش ہو جانے کے بارے میں کوئی نظریہ قائم کیا جا سکتا۔نہ جانے انھیں زمین کھا گئی تھی، یا آسمان۔ اس قصر کے اندر باہر پولیس کا مضبوط پہرہ بٹھا دیا گیا اور اس وقت خاں کا دماغ اور الجھ گیا جب سارجنٹ بالے اسے لارڈ ٹیکاما کے بڑے کمرے کی چھت پر ہی بیہوش پڑا ہوا ملا۔ہوش میں لائے جانے پر وہ صرف اتنا بتا سکا کہ کسی نے اچانک اس پر پشت سے حملہ کر دیا تھا اور جب وہ گردن دبانے لگا تو بالے نے کسی طرح اسے ڈرانے کیلیے اپنے ریوالور سے دو فائر کر دیے۔ اس کے بعد اس کے سر پر کوئی بھاری چیز ماری گئی اور وہ بے ہوش گر پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

روشنی کا راز

یہ صبح بڑی تہلکہ خیز تھی۔ ڈربن میں آدم خور ٹیکاما اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں خان کے انکشافات نے ایک اندھیر مچا دیا۔ ہندوستان کے اس پولیس سپرنٹنڈنٹ کا نام شام ہوتے ہوتے ہر زبان پر آ گیا۔ تمام مقامی اور صوبائی اخبارات نے مقامی انتظامی مشنری کی مذمت کرتے ہوئے اس سنسنی خیز انکشافات کو شائع کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی خان، سارجنٹ بالے اور سارجنٹ ڈگلس کی تصاویر بھی شائع ہوئی تھیں۔ لوسیا کی بچی ہوئی لاش اور قصر کے تہ خانے سے برآمد ہونے والے ڈھانچوں کی تصویریں بھی شائع کی گئی تھیں۔

پچھلے دو سال سے جو محض غیر ملکی سیاحوں، یا مسافروں کی گمشدگی کی وارداتیں کبھی کبھی ہوتی رہتی تھیں، پریس نے ان کا سارا الزام حکوت کے سر تھوپ کر ان وارداتوں کو اسی سلسلے میں منسلک کر دیا تھا۔ تنویر بیچارہ اسپتال میں پڑا تھا، اس لیے اس کی تصویر نہ لی جا سکی۔ اس کے پٹھے کا آپریشن کر کے دو انچ اندر گھسا ہوا تیر نکالا گیا تھا۔ ڈریسنگ کے تقریباً تین گھنٹے بعد اسے ہوش آیا، لیکن اسے کم از کم چار دن تک اسپتال میں رکھے جانے کی سول سرجن نے ہدایت کی تھی۔ خان، بالے، ڈگلس اور چند دوسرے مقامی پولیس افسران اسپتال ہی میں جا کر اس سے مل آئے تھے۔ اور خان نے تمام حالات بھی اسے سنا دیے تھے۔ وہ تو بضد تھا کہ اسے اسپتال سے جلد رخصت دلا دی جائے، لیکن ڈاکٹر کا مشورہ اس کے برعکس تھا۔

مس لوسیا خاتون تھی اس کے اس بے دردانہ قتل نے پوری سرکاری مشنری کو ہلا دیا تھا۔ ڈربن کے چپے چپے کے علاوہ یونین کے تمام شہروں اور سرحدی علاقوں تک مسلسل تین دن پولیس لارڈ ٹیکاما اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کرتی رہی، لیکن خدا جانے انھیں زمین نگل گئی، یا آسمان۔ ان کا ملنا تو دور، کوئی ایسا سراغ تک حاصل نہ ہو سکا جس سے ان کے فرار پر کوئی روشنی

بھی پڑ سکے۔خان کے مشورے پر کارڈو کو حراست میں لے لیا گیا تھا۔مگر بے سود ہی تھا۔وہ مس لوسیا کو جاننے کا اقرار پہلے کر چکا تھا، لیکن اس کا بیان تھا کہ وہ لارڈ ٹیکاما کی شخصیت سے زیادہ واقف نہ تھا۔سوائے اس کے کہ وہ بہت خونخوار اور ضدی آدمی ہے۔اور لوسیا کیونکہ اس کی محبوبہ تھی، اس لیے وہ اس سلسلے میں زیادہ دخل بھی نہ دیتا تھا۔اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ٹیکاما نے ایک بار اس کی کچھ مالی مدد بھی کی تھی۔خان کے اس سوال پر کہ لوسیا کو ہپناٹائز کر کے لارڈ ٹیکاما کے یہاں لے جایا گیا تھا۔کارڈو نے بتایا کہ یہی ایک طریق کار تھا جس سے وہ لوسیا کو اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کرتا تھا، ورنہ ہوش میں رہ کر تو وہ ایسے بدشکل کی صورت سے بھی نفرت کرتی۔کارڈو نے ہی بتایا کہ لوسیا کو وہ برمی شکاری ہپناٹائز کر دیتا تھا۔وہ اسی کے حکم سے ٹیکاما کو پسند کرتی تھی۔خاں کو اس پر ڈاکٹر پیرٹ ہونے کا شبہ تھا۔

''مگر وہ برمی شکاری ہے کون؟' خان نے کارڈو نے سے ہی دریافت کیا۔

''وہ ٹیکاما کا خاص آدمی ہے، اس کا اصل نام جوموجگارو ہے۔وہ جنوبی افریقہ کا ہی باشندہ ہے، لیکن کافی پڑھا لکھا آدمی ہے۔وہ برما میں بھی کچھ عرصہ رہ چکا ہے۔'' کارڈو نے بتایا۔

''بہر حال اگر تم اپنے بیان میں سچے ہو تو تمہیں ہماری مدد کرنی پڑے گی۔'' خان بولا۔

''میں کیا کر سکتا ہوں؟'' کارڈو گھبرا کر بولا۔''وہ مجھے مار ڈالے گا۔ڈمبالو کے پہاڑ بچوانا لینڈ میں ہیں، جہاں ہمیں کوئی واقف کار بھی نہ ملے گا۔''

''کون؟'' خان نے برجستہ سوال کیا۔

''وہی لارڈ ٹیکاما، میں نے بتایا نا وہ بہت خونخوار آدمی ہے۔اس کے آدمی بہت سی جگہوں پر پھیلے ہوں گے۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو، ہم دوسرے طریقے سے اس کا پیچھا کریں گے۔ہم ڈمبالو کا

راستہ نہیں جانتے، نہ ہی بچوالینڈ کے نقشے پر لیہوتوتو کے بعد دمبالو کے مقام کے بارے میں کچھ درج ہے۔تم کو ہمارا ساتھ دینا ہوگا۔تم ہمیں دمبالو کا راستہ دکھاؤ گے۔''

''لیکن لیہوتوتو کے اس پار موت کا راج ہے، کوئی وہاں جا نہیں سکتا اور چلا جائے تو پھر آ نہیں سکتا۔دمبالو کے اس پار صرف بھیانک موت ملتی ہے۔'' کارڈو نے سمجھانا چاہا۔

''شاید تم آدم خوروں کے ملک کے بارے میں کہہ رہے ہو؟'' خان نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں، اس حقیقت کو بہت کم لوگ جانتے ہیں اور جو جانتے بھی ہیں انھوں نے صرف تذکرہ سنا ہوگا، ورنہ کسی کو اس علاقے کا راستہ نہیں معلوم۔'' کارڈو بتانے لگا۔''اور دمبالو کی حدیں ایک بار عبور کر جانے والا ہمیشہ کیلیے دمبالو کے پیچھے کی نامعلوم دنیا میں گم ہو جاتا ہے۔''

''اسی لیے تو ہم چاہتے ہیں کہ جلد از جلد ان لوگوں کا تعاقب کر کے انھیں راستے میں دھر لیا جائے۔وہ ابھی راہ میں ہی ہوں گے اور ضرور وہ اسی طرف گئے ہیں، ورنہ اور کوئی ایسا محفوظ مقام انھیں نہیں مل سکتا، جہاں تک قانون اور انصاف کے ہاتھ نہ پہنچتے ہوں۔'' خان نے کہا۔

''آپ کوشش کر سکتے ہیں، لیکن میں پھر کہوں گا کہ یہ تمام کوششیں ناکام ہوں گی۔ یہاں ایک انگریز حکومت کے تمام وسائل مل کر بھی ان آدم خوروں کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔وہ لوگ کیا اور کس طرح بستے ہیں۔یہ آج تک معلوم نہ ہو سکا۔'' کارڈو نے پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں اپنے کام کو تم سے زیادہ بہتر سمجھ سکتا ہوں، اس کی فکر نہ کرو۔'' خان نے سخت لہجے میں کہا۔

''کیا تم اس سرخ روشنی کے بارے کہ کچھ بتا سکتے ہو جو ڈربن کی سڑکوں پر اکثر

دکھائی دیتی ہے۔'' بالے سوال کر بیٹھا۔

''وہ روشنی صرف ایک اشارہ ہوتی ہے کہ اسے ختم کر دیا جائے، لیکن وہ کہاں سے آتی ہے اور کیسے، یہ مجھے معلوم نہیں۔ میرے ایک ساتھی نے لارڈ ٹیکاما کی حرکتوں سے تنگ ہو کر ایک باغیانہ رویہ اختیار کیا تھا تو اسی روشنی نے اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔''

''میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کہاں سے آتی ہے۔ اس ناور کا علاقہ دن میں بھی ویران پڑا رہتا ہے اور یہ روشنی ایک سرخ شیشے میں سورج کا عکس لے کر دن کے اوقات میں پھینکی جاتی ہے اور رات کے وقت ناور کے چوطرفہ گھڑیال کے درمیان چلنے والے پانچ ہزار کینڈل پاور کی بجلی کے لیمپ کا عکس نچلے حصے سے شیشے کے ذریعے منتقل کیا جاتا ہے۔'' خان نے اس طرح سب کچھ بیان کرنا شروع کر دیا جیسے وہ یہاں کے حالات سے گہری واقفیت، وابستگی رکھتا ہے۔

''لیکن آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' بالے نے پوچھا۔

''کل رات ایک پولیس کار اس روشنی کی زد میں آ گئی تھی اور میری کار پیچھے تھی، اس لیے میں نے روشنی کے رخ سے اس کے منبع کو سمجھ لیا۔ ناور کے اندر چھپے ہوئے دو افریقی بھی گرفتار کیے گئے ہیں۔''

''اور پولیس کار کا کیا ہوا؟''

''روشنی کی زد میں آنے کے بعد آگے چل کر اس پر ایک سرکاری عمارت کی سونی چھت پر سے مشین گن سے فائرنگ ہوئی اور جس میں ایک مقامی کانسٹیبل ہلاک ہو گیا۔ پولیس نے ان دونوں افریقیوں کو جیل میں ڈال دیا ہے۔ یہ کمبخت اس قدر ڈھیٹ ہوتے ہیں کہ کچھ بتاتے ہی نہیں۔ پولیس کے ہاتھ میں آتے ہی جیسے گونگے بن جاتے ہیں۔'' خان نے بتایا۔

''اور وہ مشین گن والے؟'' بالے نے سوال کیا۔

''ان کا کوئی پتہ نہیں چلا، صرف اس عمارت کی کھلی چھت پر پڑی ہوئی ایک مشین

گن ملی تھی، جو وہ لوگ شاید پولیس کی کافی تعداد سے ڈر کر بھاگتے ہوئے چھوڑ گئے تھے۔ وہ زیادہ آدمی نہ رہے ہوں گے، ورنہ اس طرح نہ بھاگتے۔'' خان نے تفصیل بتائی۔

''قصر التمر سے جو حبشی گرفتار ہوئے تھے ان کا کیا ہوا؟'' بالے نے تیسرا سوال کیا۔

''وہ کمبخت بھی ایک لفظ نہیں بتاتے اور زیادہ سختی پر اپنی زبان میں گالیں دینے لگتے ہیں۔

''پھر اب کیا خیال ہے؟''

''سفر کی تیاری کرو۔ میں کمشنر سے پروانہ راہداری لے کر آتا ہوں۔ ہم کل سویرے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔'' خان بالے کو ہدایت دے کر ڈربن کے پولیس ہیڈ کوارٹرز کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

''کوئی صحیح الدماغ آدمی آپ کو لیہو تو سے آگے جانے کا مشورہ نہیں دے گا۔'' ڈربن کے ڈپٹیہ کمشنر پولیس نے خان سے اپنے کمرے میں ملاقات کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن آپ پروانہ راہداری دینے میں کیوں جھجک محسوس کر رہے ہیں۔'' خان نے سوال کیا۔

''آپ سے پہلے بھی مختلف ممالک کے کئی سیاحت پسند ضد کر کے اس طرح دمبالو جا چکے ہیں، لیکن وہ کبھی واپس نہیں لوٹے، اسی لیے دمبالو کی طرف جانے کا ارادہ کرنے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ اور پھر بچوانا لینڈ پر وٹیکٹیو ریٹ علاقہ ہے، ممکن ہیہ وہاں اس کو زیادہ سہولتیں بھی نہ مل سکیں۔''

''کوئی وجہ تو ہو گی جو لوگ اس طرف گئے؟''

''انتہائی مضحکہ خیز۔'' ڈپٹی کمشنر اپنے چوڑے کندھے جھٹکتے ہوئے ہنسا۔ ''میں نے

سنا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ بچوانا لینڈ میں لیہوتو کے نزدیک کسی نامعلوم پہاڑی میں جس کا نام کوہِ دمبالو بتایا جاتا ہے، ایک ہیرے کی کان ہے۔ اور غالباً اس تلاش میں مختلف لوگ جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''کیا حکومت نے اس روایت کی کوئی تصدیق کی ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''قطعی بکواس۔ وہ جگہ کیونکہ انتہائی مخدوش ہے، اس لیے ادھر جانا بند کرایا گیا۔ میرا خیال ہے اسی سرکاری احتیاط پسندی کو کوئی راز سمجھ کر اس کے متعلق ایسی من گھڑت روایات مشہور کر دی گئی ہیں۔''

''پھر بھی مجھے جانا پڑے گا۔''

''ہم اس کے ذمے دار نہ ہوں گے۔''

''مجھے منظور ہے۔'' خان نے جواب دیا۔

''پھر بھی میں بچوانا لینڈ کی سرحد تک آپ کی رہنمائی کرنے کیلیے سارجنٹ ڈگلس اوور دو کانسٹیبل آپ کو دے سکتا ہوں۔'' ڈپٹی کمشنر نے وعدہ کیا۔

''شکریہ، میں کل ہی روانہ ہو جانا چاہتا ہوں، ممکن ہے وہ لوگ ہمیں کہیں راہ میں ہی مل جائیں۔'' خان نے رخصتی سلام کے ساتھ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔'' ڈپٹی کمشنر مسکرا کر بولا۔

☆☆☆☆☆☆

چنانچہ تنویر، کارڈو، بالے، سارجنٹ ڈگلس، دو افریقی پولیس کانسٹیبل اور مقامی افریقی نوکروں کے ساتھ خان دوسرے دن سویرے ڈربن سے شمال جنوب کی طرف ریل سے روانہ ہو گیا۔ لیڈی اسمتھ اور ناٹال کے صوبے آرینج فری اسٹیٹ سے گزرتے ہوئے تیسرے دن وہ ملالانا کے سرحدی مقام پر پہنچ گئے۔ یہاں سے بچوانا لینڈ سرحدیں شروع ہوتی تھیں۔

Akram Allahabadi

سرحدوں پر تقریباً سو میل تک گھنے جنگلوں اور پہاڑی ٹیلوں کا سلسلہ شروع تھا۔اس سلسلے کے بعد تقریباً ۴۰۔۵۰ میل تک خشک ریگزار پھیلا ہوا تھا اور پھر پلیٹو شروع ہو گئے تھے۔پلیٹو کے اس پار اونچی اونچی گھاس کے میدان میلوں تک پھیلے چلے گئے تھے۔جن کے درمیان کہیں کہیں گھنے درخت آ جاتے۔اس علاقے میں ہر شیر بکثرت پائے جاتے تھے اور وہ گھاس کے میدانوں میں گھس کر پالتو بھیڑیوں اور کمزور گھوڑوں، گھوڑے کے بچوں، یا مویشیوں کا شکار کر لیا کرتے تھے۔گھاس کے میدانوں کے درمیان کافی فاصلوں سے جنگلی افریقی قبائلیوں کے مرکزی قصبے آباد تھے۔یہ قبائل یا تو کھیتی باڑی کرتے، یا مویشی پالتے اور جنگلی جانوروں کی کھالوں کی تجارت کرتے تھے۔یہ کسی حد تک مہذب بن گئے تھے۔ان آبادیوں کے بعد پھر لق و دق جنگلوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا، جو لیہوتو تو کے مقام سے جا ملتا جو بچوانا لینڈ کے بڑے شہروں میں سے ایک تھا۔یہاں افریقی آبادی کے ساتھ ساتھ بچوانا لینڈ کی حکومت کے چند مرکزی محکموں کی ۔۔۔۔مشنری کا کافی عملہ رہتا تھا۔سفید فام فوج کا ایک بڑا مشن بھی یہاں رکھا جاتا تھا۔لیہوتو تو کے بعد ذرائع آمد و رفت مفقود ہو جاتے تھے۔چھوٹے میٹر گیج کی شٹل ریلویز لائن بھی یہاں پر پہنچ کر ختم ہو جاتی تھی۔اور بڑی سڑکوں کا جال بھی یہیں تک محدود تھا۔شمال مغرب میں خوفناک اندھیر نے جنگلوں کا ایک سلسلہ شروع ہو کر پھیلتے پھیلتے دمبالو کے پہاڑی سے جا ملتا تھا۔اس پہاڑ کا سلسلہ بڑا مخدوش اور طویل تھا۔اس میں گہرے گہرے تاریک غار اور رہا ہموار ٹیلے تو تھے، کئی مقامات پر بڑی بڑی چٹانیں اور ڈھلوان دڑکے ہوئے بھی تھے۔اودراڑوں میں اگر کوئی اتفاق سے گر پڑتا تو اس کا کہیں نام و نشان نہ ملتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

بچوانا لینڈ پروٹیکٹیوریت کی سرحد پر مالالانا ایک اوسط آبادی کا قبائلی علاقہ تھا جو دو طرف پہاڑوں اور دو طرف جنگلوں سے گھرا ہوا تھا۔یہاں کے لوگ بھولے، لیکن جنونی ذہنیت

رکھتے تھے۔صرف یہیں کا تاجر طبقہ کچھ تعلیم یافتہ اور کسی قدر سمجھدار تھا، لیکن ان کے رہن سہن کے طریقے بدل چکے تھے۔یہاں پختہ سڑکیں اور اوسط حیثیت کے مکانات بھی تھے۔آرینج فری اسٹیٹ سے یہاں تک پہنچنے میں ان کی چھوٹے گیج کی شٹل ٹرین کو دو دن لگ گئے تھے۔اس مسلسل سفر کی تھکن سے ان کے بدن چور چور ہو رہے تھے، لیکن یہاں پہنچ کر انھیں معلوم ہوا کہ لوسیا کے قاتل ٹیکاما کو تلاش کرنے کی ہدایت یہاں دو دن پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔یہاں کے سرکاری ناظم الامور نے انھیں بتایا کہ ہماری سرحد سے گزر کر بچوانا لینڈ کی طرف کوئی مشکوک لوگ نہیں گئے، صرف وہ لوگ گئے ہیں جن کے پاس یونین گورنمنٹ کا پروانداہداری تھا۔

سارجنٹ ڈگلس اور دوسرے دو جنوبی افریقی یونین کے پولیس کانسٹیبل مالالانا سے ہی انھیں سرحدی پولیس افسروں سے متعارف کر کے لوٹ گئے۔یہاں انھیں صرف ایک دن قیام کرنا پڑا۔کیونکہ مالالانا کے ڈپٹی کمشنر نے ان کیلیے بچوانا لینڈ کے پروٹیکٹیوریٹ گورنمنٹ کے داخلے کے اجازت نامے منگوائے تھے۔خصوصی انتظام کے ساتھ دوسرے دن ہی تار کے ذریعے بچوانا لینڈ سے اجازت مل گئی اور انھیں ڈپٹی مجسٹریٹ مالالانا کے تصدیقی سرٹیفکٹ پر بچوانا لینڈ کی سرحد پار کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔مالالانا سے سرحد تک انھیں یونین کے سرحدی پولیس کا ایک سب انسپکٹر اور دو نائب چھوڑنے آئے تھے۔اس کیلیے ایک تقریباً دو ہزار فٹ بلند ایک پہاڑ عبور کرنا پڑا۔آپس میں گفتگو کرتے دور اُدھر کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے انھوں نے یہ سفر آرام سے طے کرلیا۔پہاڑ کے دوسرے سرے پر دامن کوہ سے ہی بچوانا لینڈ کی سرزمین شروع ہو جاتی تھی۔یونین کی سرحدی پولیس کے آدمی انھیں پروٹیکٹیوریٹ سرحدی پولیس کی ایک چوکی کے انچارج کے سپرد کر کے لوٹ گئے۔یہ ایک ادھیڑ عمر کا خوش خلق افریقی تھا جو تعلیم یافتہ اور مہذب معلوم ہوتا تھا۔اس کے ساتھ اس چوکی پر دس دس مسلح سپاہیوں کے چار دستے تھے۔ان سپاہیوں کے رہائشی کوارٹرز بھی یہیں بنے ہوئے تھے اور چوکی کے اندر ہی ایک ایمیونیشن اسٹور بھی تھا۔اور کسی سرحدی خطرے کا امکان نہ ہونے

Akram Allahabadi

کے باوجود یہ لوگ ناپسندیدہ لوگوں کے داخلے کے سلسلے میں کافی محتاط رہتے تھے۔اس افریقی انچارج نے ان سے بہت سے سوالات کر ڈالے۔اور جب وہ ڈپٹی مجسٹریٹ مالالانا کی تصدیق اوران کے کاغذات سے مطمئن ہوگیاتو وہ ان کیلیے مہمان نوازاور خلیق بن گیا۔دوپہر کا کھانا اس نے انھیں اپنے ہی ساتھ کھانے پر مجبور کیا اوراسی وقت دورانِ گفتگوخان کے ٹیکاما کے داخلے کا بھی ذکرمبہم الفاظ میں چھیڑ دیا۔

''میری سرحد سے تو کوئی ایسے مشتبہ لوگ داخل نہیں ہوئے ہیں۔اور خاص کر جلاوطن آدمی کیلیے،خواہ وہ یہاں کتنی ہی بڑی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو،ہمیں دھولہ دے کراس علاقے میں داخل ہوجانا ناممکن ہے۔''افریقی انچارج اپنی مستعدی کا اظہار کرتے ہوئے کسی حدتک فخر سے کہنے لگا۔

''تو کوئی اورراستہ بھی تو ممکن ہوسکتا ہے؟''خان نے انگریزی میں دریافت کیا۔

''ہاں،دریائے لودابو کا راستہ،مگروہاں بھی سرحدی پولیس کافی مستعد رہتی ہے۔''

خان سوچ میں پڑگیا۔

''چالاک لوگ پولیس کی مستعدی سے بھی بعض وقت فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔مثلاً آپ کی توجہ کسی اورطرف بانٹ کر...''تنویر کہتے کہتے رک گیا۔

''ٹھیک ہے،یہ بھی ممکن ہے،لیکن اگرایسا ہوا بھی تو لیہوتو کی طرف جانے کا راستہ تو پھر بھی ایک ہی ہے۔وہ ضروریا تو اس راستے جارہے ہوں گے یا ابھی راستے میں ہوں گے۔''افریقی انچارج نے بتایا۔

''آپ کا مطلب اس چھوٹے ریلوے لائن سے ہے،یا...؟''

''جی،یہی ایک راستہ ہے اس سفر کا،کیونکہ لیہوتو کے علاقے خطرناک علاقے گنے جاتے ہیں۔گھاس کے میدانوں سے پہلے گھنے جنگلوں میں درندوں کی اتنی بہتات ہے کہ پیدل یا موٹر کا سفر بھی ناممکن سا ہے۔لے دے کر یہی ریلوے لائن کا راستہ رہ جاتا ہے۔''اس

Akram Allahabadi

نے بتایا۔

''تو یہ ٹرین ہمیں کہاں سے ملے گی؟''

''بس یہاں سے کوئی پندرہ بیس میل دور گوسوا کا آخری مضافاتی اسٹیشن ہے۔ پتہ نہیں آپ لوگ اس سی سی ریل میں بیٹھ کر خوش ہوں گے کہ نہیں۔ بہر حال اس کا سفر دلچسپ ضرور رہتا ہے۔'' انچارج نے خوش مذاق لہجے میں کہا۔

''تب تو اچھا ہی ہے کہ راستہ آرام سے کٹ جائے گا۔'' خان نے بتایا۔

''کیا آپ کو یقین ہے کہ جلاوطن ٹیکا مالہیوتو کی طرف ہی گیا ہوگا۔'' انچارج نے سوال کیا۔

''اس کی منزل دمبالو کے پہاڑوں تک ہی تھی، مجھے پوری طرح یقین ہے اسے کوئی اور جائے پناہ نہیں مل سکتی۔'' خان نے جواب دیا۔

''ارے یہ کیا، یعنی میری پلیٹ میں خرگوش کا بچہ؟'' انچارج اچھل پڑا۔

''اوہ، یہ کارڈو کی حرکت ہے۔ یہ مشہور اسپینی جادوگر ہیں۔'' خان نے کارڈو کا تعارف کرایا۔

''کارڈو، یہ نام تو سنا ہے میں نے، تعریف بھی خوب سنی ہے۔'' انچارج نے ہاتھ ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''لیکن نہ جانے کارڈو اس سے ہاتھ ملا کر کیوں خوش نہیں ہوا۔ اور انچارج کو بھی جھٹکے سے اپنا ہاتھ ہٹا لینا پڑا۔ اس کی ہتھیلی پر ایک مرغی کا انڈا پھوٹ گیا تھا جو کارڈو کے شعبدے بازی کا مذاق تھا۔ افریقی افسر ہاتھ جھٹکنے لگا اور تنویر اور بابے ہنس پڑے۔ افریقی انچارج نے پہلے تو گھورا، لیکن پھر مسکرا دیا۔

''میں تو صرف تماشہ دکھا رہا تھا آپ کو۔'' کارڈو نے معذرت کی اور پھر ماحول سنجیدہ ہو گیا۔

شام ہونے سے قبل یہ لوگ چوکی سے رخصت ہو کر گوسوا کے اسٹیشن کی طرف سرحد

پولیس کے ٹرک میں چل پڑے۔راستے میں ٹرک کو دو ایک بار بڑے خطرناک دھچکے لگے،لیکن کوئی خاص بات نہیں ہوئی اور اس افریقی افسر کے آدمی انھیں گھوا پر چھوڑ کر چلے گئے۔یہ ایک چھوٹا سا قصباتی اسٹیشن تھا،جس کے اسٹیشن پر ایک ہی آدمی اسٹیشن ماسٹر سے لے کر بکنگ کلرک تک کی خدمت انجام دیتا تھا۔گاڑی یہاں سے صبح ۴ بجے چھوٹتی تھی،اس لیے انھیں یہ رات اسی اسٹیشن پر گزارنی پڑی۔سرحدی علاقے سے انھوں نے سفر میں ساتھ دینے کیلیے دو ادھیڑ عمر افریقیوں کو اجرت پر ساتھ رکھ لیا تھا۔ان میں سے ایک کا نام نورابو اور دوسرے کا نام جوگارو۔ یہ دونوں کافی اطاعت گزار اور مستعد معلوم ہوتے تھے۔وہ ان لوگوں کا سامان لے کر چلتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

برسات کی رات

گوموا اسٹیشن پر صرف ایک معمولی سا شیڈ نما ویٹنگ روم تھا، جس میں جنگلی بانس کے بنے ہوئے دو پرانے مونڈھے اور ایک بے ڈھنگی سی لکڑی کی میز پڑی ہوئی تھی۔ ویٹنگ روم کا کوئی کلاس نہیں تھا۔ اس رات اتفاق سے ان چھ آدمیوں کے سوا اس اسٹیشن پر کوئی نہ تھا۔ رات انھیں اسی پرانے شیڈ میں گزارنی تھی۔ ۱۲ بجے کے بعد بارش ہوگئی اور پانی برسا تو ایسا کہ یہ ویٹنگ روم خود ایک فٹ اونچے پانی سے لبریز حوض بن گیا اور اس کی پرنالی چھت تو اس طرح ٹپکی کہ سر بچانا مشکل ہوگیا۔ ان کے لیے یہ بڑی تکلیف دہ رات ہوتی، اگر پہلے سے موسم کے آثار دیکھ کر انھوں نے اپنے سامان میں برساتیاں اور واٹر پروف چھولداریاں نہ ساتھ لے لی ہوتیں۔ اس ویٹنگ روم سے تو باہر کے ایک ٹیلے کو ہی غنیمت سمجھ کر انھوں نے دو چھولداریاں لگالیں اور نصف نصف بٹ کر ان میں دبک گئے۔ نہ جانے کیوں کارڈو جب سے بچوانا لینڈ کی سرحد میں آیا تھا، اس کے چہرے کی رنگت اڑی اڑی تھی۔ خان سمجھ رہا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو ہے، لیکن مصلحتاً وہ کچھ نہیں بولا۔ اس وقت رات کے ۲ بجے تھے اور کارڈو کو ابھی جھپکی ہی لگی تھی کہ خواب میں بڑبڑانے لگا۔ ''وہ مجھے مار ڈالے گا، وہ میری بوٹیاں نوچ لے گا، وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا، ارے، کوئی بچاؤ، ارے کوئی بچاؤ۔''

خان کی آنکھ کھل گئی۔ تھکن کے غلبے سے ان زمین گرفت چھولداریوں میں انھیں برستے طوفان میں اسٹریچر پر نیند آ گئی تھی۔ خان نے دیکھا کہ نیند کے عالم میں آنکھیں بند کیے کارڈو آہستہ آواز میں اس طرح منہ پھاڑے چیخ رہا ہے جیسے وہ اپنی پوری قوت سے خواب میں چیخ رہا ہو۔ عالمِ خواب کی کیفیت ایسی ہی ہوتی ہے۔ خان مسکرا کر پھر لیٹ گیا، لیکن ایک منٹ بعد ہی کارڈو چونک کر اٹھ بیٹھا۔

Akram Allahabadi

''وہ آرہے ہیں۔'' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کان کی طرف گھور کر بولا۔ ''وہ آرہے ہیں، خونخوار درندے۔''

خان سمجھ رہا تھا کہ وہ خوب میں ڈر گیا ہے، لیکن جب کارڈو نے یہ کہا کہ میں نے روحانی طور پر خیالات کی مرکزیت سے اردگرد کے ماحول کا عکس لے کر معلوم کیا ہے، تو خان اسے خود پر کیے جانے والے ہپناٹزم کی قوت کا نتیجہ سمجھ کر سوچ میں پڑ گیا۔ تنویرا اور بالے بھی دوسرے خیمے میں اٹھ بیٹھے تھے، مگر وہ چپ چپ سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

''وہ دیکھو، وہ دیکھو۔'' کارڈو نے دور موسلا دھار بارش کے طوفان میں اسٹیشن کے اس طرف ٹمٹماتی ہوئی ایک روشنی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ روشنی اب سے پہلے نہ تھی اور اس وقت وہ جیسے اس اسٹیشن کی طرف سے آرہی تھی۔

آسمان پر بادلوں کی گرج کے ساتھ ساتھ بار بار بجلی چمک کر پل بھر کیلیے حدِ نظر تک کی فضا روشن کر دیتی۔ وہ روشنی نزدیک آ گئی۔ بارش کا وہی عالم تھا۔ ایک بار بجلی زور سے چمکی اور اس کے چکاچوند میں انھوں نے دیکھا وہ تین سائے، ہاتھوں میں شاید بیٹریاں (ٹارچ) لیے ہوئے پلیٹ فارم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دوبارہ بجلی کی چمک میں انھوں نے دیکھا کہ وہ تینوں اسی ویٹنگ روم کی تلاشی لے رہے تھے، جس سے نکل کر یہ لوگ آئے تھے۔

خان اپنی جگہ سے پھرتی سے اچھلا اور برساتی سمیٹتا ہوا باہر نکل گیا۔ خان کو باہر نکلتے دیکھ کر، اپنے خیمے سے بالے نکل پڑا۔

''دیکھو، سب خاموش رہنا، جیسے یہاں کوئی جاندار ہی نہ ہو۔'' تنویر نے سرگوشی کے لہجے میں کارڈو اور دو افریقی نوکروں کو ہدایت کی اور خود بھی ٹیلے سے اتر کر ایک جھاڑی کی آڑ لیتا ہوا بالے کے پیچھے پہنچ گیا۔ ایک بار پھر بجلی چمکی اور اس کے ساتھ فضا میں پستو کے مسلسل دو فائر کی آواز گونج گئی۔ بارش کا شور نہ ہوتا تو شاید اس ویران رات کے سناٹے میں یہ آواز بہت دور تک پھیل جاتی۔ خان کی پستول سے شعلہ نکلا اور گولی سنسناتی ہوئی پلیٹ فارم کے ایک کھمبے

سے جاٹکرائی، جس کی آڑ میں ایک سایہ چھپ گیا تھا۔ دوسری طرف بالے اور تنویر نے مسلسل فائرنگ شروع کردی۔ کچھ دیر تک ادھر سے جواب دیا جاتا رہا، لیکن اس کے بعد سناٹا ہوگیا۔ خان اور تنویر اور بالے دوڑتے ہوئے پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔ لیکن بجلی کی چمک میں انھوں نے دیکھا کہ اسٹیشن کے دوسری طرف کوئی دوسو گز پر وہی تین سائے بے تحاشا بھاگے جارہے تھے۔ بالے نے فائرنگ کرتے ہوئے ان کے پیچھے دوڑنا چاہا تو خان نے روک لیا۔

”فضول ہے، ہم اس خطرناک علاقے کے ماحول سے واقف نہیں ہیں، وہ ہمارے ہاتھ اب نہیں آئیں گے۔“

اور جب یہ تینوں پلٹ کر اپنی چھولداریوں میں پہنچے تو کارڈو خوف سے اوندھا پڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ان کے سمجھانے کے باوجود اس کا خوف دور نہیں ہوا۔ وہ کسی نامعلوم خطرے کو محسوس کرکے ابھی سے زرد ہوا جارہا تھا اور بار بار یہی بڑبڑا رہا تھا کہ وہ خونخوار درندے مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ وہ مجھے ضرور مار ڈالیں گے اور تم میں سے کوئی نہ بچا سکے گا مجھے۔

بہر حال کسی طرح یہ مخدوش رات بیت گئی اور وہ صبح چار بجے کی نارتھ ایسٹ شٹل سروس سے روانہ ہوگئے۔ یہ دس چھوٹے ڈبوں کی گاڑی تھی، جس کا انجن بھی چھوٹا سا تھا اور چھوٹے میٹر گیج کی ریلوے لائن پر وہ زیادہ سے زیادہ ۳۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا تھا۔ اس ٹرین میں صرف سیکنڈ اور تھرڈ کلاس کے ڈبے تھے اور لوگوں نے لیبوتوتو تک کے دوسرے درجے کے ٹکٹ لے رکھے تھے۔ وہ دوسرے درجے کے ساتھ ساتھ تیسرے درجے میں سفر کر رہے تھے۔ گاڑی ہر اگلے مضافاتی اسٹیشن پر رکتی اور دو چار چھ مسافر چڑھتے اور اترتے۔ ان میں زیادہ تر افریقی ہی تھے، البتہ ایک بڑے قصبے سے سیکنڈ کلاس میں تین سفید فام آدمی بھی گھس آئے، جن کے ساتھ ایک نوجوان خوبصورت لڑکی تھی۔ بالے افریقہ آکر کسی حسین لڑکی کا چہرہ دیکھنے کو ترس گیا تھا۔ ڈربن میں دو چار نظر بھی پڑیں تو کسی نے لفٹ نہ دی۔ اور وہ کسی بنجر علاقے میں لڑائی پر بھیجے گئے فوجی سپاہی کی طرح دل مسوس کر رہ گیا۔ اسے حسین اور خوبرو

لڑکیوں سے جیسے کوئی پیدائشی نسبت تھی۔ وہ کردار کا برا نہ تھا، بلکہ بعض اوقات بہت اچھی مثالیں پیش کرتا۔ لیکن عورت کا حسن جیسے اس کی بھوک تھی اور وہ اس کے بغیر بالے ہر سفر میں اپنے ماحول میں ایک تشنگی محسوس کرتا۔ اسے صرف خوبصورت عورتیں اور نازک وشوخ لڑکیوں پسند تھیں۔ ان کی قربت اسے جیسے دنیا میں ہی جنت کا احساس دلا دیتی۔ خان کو اس کی بس ایک اسی عادت سے چڑ تھی۔ وہ یہ جانتا تھا کہ بالے اپنی اس فطری کمزوری کے باوجود کبھی کوئی ناشائستہ یا قابلِ اعتراض حرکت نہیں کرتا، پھر بھی وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ایسی فضولیات میں پڑ کر وقت گنوایا جائے۔

دو طرفہ گھنے درختوں اور اونچے نیچے خاردار ٹیلوں کے درمیان سے ان کی ٹرین گزرتی رہی۔ کمپارٹمنٹ کی کھلی کھڑکیوں میں بیٹھے بالے باہر کے مناظر دیکھ رہے تھے اور خان بچوانا ایونگز نامی اخبار دیکھ رہا تھا، جو اس نے اسی ٹرین کے گارڈ سے چند گھنٹوں کیلیے مانگ لیا تھا۔ پڑھتے پڑھتے وہ چونک پڑا۔ اس کی نظریں ایک خبر پر جم گئیں جو بچوانا کے بارے میں تھی۔

اس میں لکھا تھا کہ قبائلیوں کا سردار لارڈ ٹیکاما جسے یونین گورنمنٹ کی پولیس نے قتل اور انسانیت سوز حرکات کے الزامات کے تحت گرفتار کرنا چاہا تھا، ڈربن سے فرار ہو کر بچوانا لینڈ کی سرحدوں پر پہنچ گیا ہے۔ مصدقہ اطلاعات مظہر ہیں کہ اس کے ساتھ ایک ایسا مشتبہ شخص بھی ہے جس کی گرفتاری کیلیے ہندوستان سے پولیس افسران آئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ سرحدی نگہبان چوکیوں نے اس امر کی تردید کی ہے، لیکن سنا گیا ہے کہ ٹیکاما بچوانا لینڈ (پروٹیکوریٹ) میں داخل ہو چکا ہے۔ اس کا اندازہ قبائل میں پیدا ہونے والی گرم جوشی سے لگایا جا سکتا ہے۔ ---- سے لیھوتوتو کے اطراف میں نقل و حرکت کرتے نظر آرہے ہیں۔ ابھی تک پروٹیکوریٹ ---- سے اس سلسلے میں کوئی اطلاع نہیں مل سکی ہے، نہ یہ معلوم ہو سکا ہے کہ حکومت اس میں کیا اقدام کرے گی۔

خان نے یہ خبر پڑھ کر اخبار تنویر کی طرف بڑھا دیا، اس نے دیکھ کر اخبار بالے کو

دے دیا۔اور بالے نے خبر پڑھ کر اخبار کارڈو کے حوالے کر دیا۔خان خاموش تھے،کارڈو کھڑکی کے نزدیک دبکا ہوا سا بیٹھا تھا۔

''خدا نہ کرے ہم اس کے ہاتھ پڑ گئے تو اس جنگلوں کی سرزمین میں وہ ہماری ہڈیاں توڑ ڈالے گا۔''کارڈو نے خان سے کہا۔

''تم بڑے کم ہمت ہو،ارے بھئی،موت تو ایک دن آنی ہے،پھر کیوں نہ مقابلہ کر کے مریں۔ویسے ہم لوگ بھی کچھ موم کے بنے ہوئے تو نہیں۔''خان نے اسے دلاسا دلاتے ہوئے کہا۔

''مگر وہ اکیلا نہیں ہوگا یہاں۔'' کارڈو نے اظہار خیال کیا۔اس کے ساتھ گنتورو قبیلے کے سردار بھی ہے،وہی برمی شکاری۔''

''برمی شکاری؟تو کیا وہ بھی یہیں کا ہے؟''

''جی ہاں،وہ ٹیکاما کا خاص دوست اور معاون ہے۔وہ اس کے ساتھ ڈربن میں ہی چلا تھا۔''کارڈو نے بتایا۔

''بہر حال میں پروٹیکٹوریٹ کی حکومت سے پولیس کی مدد لے لوں گا،تم فکر نہ کرو۔''خان نے اطمینان دلادیا اور کمپارٹمنٹ میں پھر سناٹا چھا گیا۔یہ چھوٹے ڈبوں کی گاڑی۔۔۔۔باوجود اس کی رفتار اتنی آہستہ تھی جیسے کوئی شائیکل چلا رہا ہو۔ان کا ڈبہ انجن کے بعد دوسرا ڈبہ تھا،اس لیے اس کا شور مغز خراسی کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ٹرین غائب ہوگئی

آگے بہولا کا اسٹیشن تھا۔ وہ اب تک تقریباً ڈیڑھ سو میل کی مسافت طے کر چکے تھے اور سورج سہ پہر کی منزل میں ڈھل رہا تھا۔ انھیں جنگلوں کے بیچ کے اسٹیشن کا مالیک سے ٹرین بدلنی تھی اور کا مالیک پہنچنے کو ابھی بہولا کے علاوہ ایک اور اسٹیشن باقی رہ گیا تھا۔

بہولا پر انھوں نے کچھ اور پھل سامانِ خورد و نوش خرید لیا۔ ایک اوسط سی آبادی تھی اور یہاں سے جھیل کی طرف چڑھنا شروع ہوتا تھا، جس کی وجہ سے آگے گاڑی کی رفتار اور سست پڑ گئی اور بالے جھنجلا جھنجلا کر اس ٹرین کا انجن بنانے والے کارخانے کو گالیاں دے رہا تھا۔

''بھلا یہ بھی کوئی سفر ہے جیسے بیل گاڑی میں جا رہے ہوں۔'' وہ آپ ہی آپ بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

''ریل گاڑی اور بیل گاڑی میں تھوڑا سا ہی تو فرق ہے۔'' آخر تنویر بول اٹھا۔

''تمھیں گوگدھے اور خچر میں بھی فرق نظر نہیں آتا، تمہارا کیا کہنا۔'' بالے نے جلا ہوا سا جواب دیا۔ لیکن کارڈوان کی گفتگو سے کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔

''اے بھائی، تمھیں کیا بیماری ہے؟'' بالے اس کی طرف گھوم پڑا۔

''ہم موت کے شہر میں جا رہے ہیں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''تب ہی قصائی کے بکرے کی طرح پہلے سے دبلا ہوا جا رہا ہے۔'' بالے بولا۔

''تمھیں مذاق سوجھا ہے۔'' وہ اپنی اداسی کو بدستور بحال رکھتے ہوئے بولا۔

''نہیں، دراصل مجھے پیشاب سوجھا ہے۔'' یہ کہہ کر بالے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں بھئی، یہ کیا وحشت ہے؟'' خان نے اسے ٹوکا۔ لیکن وہ کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکل چکا تھا۔ گاڑی اپنی اسی کچوے کی رفتار سے رینگ رہی تھی۔

Akram Allahabadi

''پیشاب کر کے آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ چلتی ٹرین سے اتر گیا۔ ''مجھے ریلوے لائن کے کنارے پیشاب کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ لائن سے کچھ دور ڈھلوان کے کنارے پر دوسری طرف رخ کر کے پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ اور گاڑی دوڑتی رہی، یہاں تک کہ گاڑی کا آخری ڈبہ بھی قریب سے گزرنے لگا، تب وہ فارغ ہو کر کھڑا ہوا اور گارڈ کے بریک میں سوار ہو گیا۔

''کیا بات ہے؟ کون ہیں آپ؟'' گارڈ نے اس سے سوال کیا۔

''میں ایک مسافر ہوں، آپ کے طوفان میل سے اتر کر ذرا پیشاب کرنے لگا تھا، اس لیے بریک میں چڑھ آیا ہوں۔ ویسے آپ کہیں تو ابھی اتر کر اپنے ڈبے تک بھی جا سکتا ہوں۔'' بالے نے کسی قدر طنزیہ انداز میں اسے جواب دیا۔ اور دراصل اس شٹل ٹرین کی اس رفتار سے شدید اکتاہٹ محسوس کر رہا تھا۔ گارڈ کچھ نہ بولا اور وہ ایک طرف بیٹھ کر گاڑی کے پیچھے چھوٹنے والے مناظر کو دیکھنے لگا۔

اگلے اسٹیشن کے نزدیک جب گاڑی آہستہ اور ہونے لگی تو وہ بریک سے اتر کر اپنے ڈبے میں چلا آیا۔ تنویر نے تو اسے دیکھ کر قہقہہ لگایا، لیکن خان کا موڈ سنجیدہ دیکھ کر وہ منہ پھلا کر۔ ''اب کوئی پیشاب بھی نہ کرے۔'' کہتا ہوا ایک طرف بیٹھ گیا۔

گاڑی جب کاما لیک پہنچی تو یہاں عجیب سی صورتِ حال تھی۔ اسٹیشن پر موجود بہت سے آدمی حیرت زدہ انداز میں آپس میں کچھ تبصرے کر رہے تھے۔ اسٹیشن ماسٹر الگ گھبرایا گھبرایا پھر رہا تھا۔

''آخر بات کیا ہے؟'' خان بڑبڑایا۔

''کوئی خاص بات نہیں، جس دوسری ٹرین سے ہمیں لیہو تو جانا تھا، وہ میں نے اپنی جیب میں رکھ لی ہے۔'' کارڈو بغل سے بول پڑا۔

''شکر ہے کہ آپ نے کچھ بکواس تو فرمائی۔'' بالے جلدی سے بول پڑا۔

Akram Allahabadi

''تم بکواس سمجھ رہے ہو، اچھا پوچھ لو اسٹیشن ماسٹر سے۔'' کارڈو نے لاپرواہی سے گردن جھٹک کر جواب دیا۔

''پوچھنا تو چاہیے، آخر یہ کھچڑی کیوں بک رہی ہے لوگوں میں۔'' یہ کہہ کر وہ پلیٹ فارم پر موجود اسٹیشن ماسٹر کی طرف چلا گیا۔ مگر دو منٹ بعد ہی جب اس سے باتیں کر کے لوٹا تو خود حیران حیران تھا۔

''آخر ہوا کیا ہے؟'' خان نے جھنجلا کر پوچھا۔

''لیجیو تو پسنجر ٹرین غائب ہو گئی۔'' بالے نے سنجیدگی سے بتایا۔

''پسنجر ٹرین غائب ہو گئی، کیا مطلب؟'' خان چونک پڑا۔

''کامالیک کے پل پر سے پوری ٹرین غائب ہو گئی ہے۔ جھیل کے اس پار کے اسٹیشن سے اس کی روانگی کی باقاعدہ خبر ملی تھی اور جب نصف گھنٹے تک گاڑی یہاں نہیں پہنچی تو دونوں اسٹیشنوں کے عملے کے لوگوں نے پل اور آر پار کی لائنوں کے اطراف کو کھنگال ڈالا، لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ گاڑی کہاں گئی۔ اطلاع کے مطابق اس میں تقریباً ۶۰۔۶۵ مسافر سفر کر رہے تھے اور گارڈ، ڈرائیور کو ملا کر اسٹاف کے کل پانچ آدمی بھی لاپتہ تھے۔ عجیب صورتِ حال تھی۔ انھیں آگے بھی جانا ضروری تھا اور آگے لے جانے والی ٹرین غائب ہو چکی تھی۔

''میں حاضر کر دوں۔'' کارڈو نے بالے سے کہا۔

''یہ لیجیے حاضرِ خدمت ہے۔'' یہ کہہ کر کارڈو نے جیب سے ایک ایک چھوٹی سی ریل گاڑی نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

''آہستہ بولو، بھائی سو رہا ہے، جاگ پڑے گا تو ساری مستی ڈھیلی پڑ جائے گی۔'' تنویر نے دونوں کو جھاڑا۔ اس پر بالے کو نہ جانے کیا بات یاد آ گئی جس کیلیے پلٹ کر خان والے انٹر کے کمرے میں گھس گیا، مگر دوسرے لمحے ہی وہ گھبرایا ہوا سا باہر نکل آیا۔

''کیا بات ہے؟'' تنویر نے چونک کر پوچھا۔

Akram Allahabadi

''وہ لاپتہ ہیں۔''

''لاپتہ ہیں؟'' تنویر اس کے الفاظ پر یقین نہ کرتے ہوئے خود بھی اس کمرے میں گھس گیا، مگر وہاں خان کا وجود نہ تھا۔

گھبرائے ہوئے سے وہ تینوں باہر نکل پڑے۔ ساتھ والے افریقیوں سے بھی پوچھا، جھونپڑے کے مالک نے بھی لاعلمی ظاہر کی، غرض انھوں نے آس پاس کا سارا علاقہ چھان مارا، لیکن خان کا کہیں پتہ نہ چلا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں چلا گیا۔ اگر خود کہیں جاتا تو کم از کم تنویر یا بالے کو ضرور بتا کر جاتا۔

ساری رات وہ اسی پریشانی میں پڑے رہے۔ سویرے پھر انھوں نے خان کو تلاش کیا، لیکن کوئی سراغ نہ ملا، یہاں تک کہ دھوپ چڑھنے لگی اور ان کی پریشانی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ ٹھیک دس بجے جب وہ اس قیام گاہ کو چھوڑ کر خان کو ڈھونڈنے قصبے سے آگے نکل رہے تھے تو انھیں جھیل کی طرف سے خان آتا ہوا نظر آیا۔ وہ گرم سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ بھیگے ہوئے کپڑے تھے۔

''کہاں چلے گئے تھے آپ؟ ہم لوگ ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہو گئے۔''

''میں غائب شدہ ٹرین کو ڈھونڈنے گیا تھا۔'' خان نے آہستہ سے کہا۔

''تو کیا مل گئی؟'' بالے نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، جھیل کے پار وہ ایک گہری پہاڑی غار میں پڑی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس میں کے تمام آدمی مر گئے ہوں گے۔ کمبختوں نے پل پار کی ریلوے لائن کاٹ کر غار تک چھوٹی پٹریاں جوڑ دی تھیں۔''

''کیا آپ یہ سب کچھ دیکھ کر آئے ہیں؟''

''ہاں۔ پل کے پار ریلوے لائن پر ایک جگہ کراسنگ کے ساتھ ان پٹریوں کے نشانات اور تختوں کے گڑھے بنے ہوئے ہیں، جس کے بارے میں کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ

وہ کیوں ہیں۔''

''لیکن گاڑی گرنے کا شور تو ہونا چاہیے تھا؟''

''ایسے شور جھیل کے اس پار اکثر ہوتے رہتے ہیں، کوئی دھیان نہیں دیتا۔ اور ویسے رات کو آندھی طوفان کے شور میں اس کا شور دب گیا ہوگا۔'' خان نے بتایا۔

''ضرور ہمارا راستہ ختم کرنے کیلیے اسے گرایا گیا ہوگا، کیونکہ ہم لوگ اس خوفناک جنگل کو طے نہیں کر سکتے اور موٹر وغیرہ کا راستہ نہیں۔''

''کس قدر پیدل چلنا پڑے گا۔''

''کم از کم ۶۰ میل۔'' ایک افریقی ملازم نے جواب دیا۔

''تب کوئی بات نہیں، ہم کو آج ہی روانہ ہو جانا چاہیے، اگر ٹرین کو محض اس خیال سے گرایا گیا ہے کہ ہمیں ٹیکاما کے تعاقب میں آگے جانے کا راستہ نہ ملے تو یقیناً وہ لوگ ہماری آمد سے باخبر ہوں گے۔ ایسے حالات میں یہاں اور ٹھہرنا نقصان دہ ہو سکتا ہے۔'' خان نے ہدایت کی۔

سورج مغرب میں غروب ہو رہا تھا۔ دن بھر کی پیدل مسافت کے بعد وہ تھکن سے چور ہو رہے تھے۔ پچھلے چھ گھنٹوں میں وہ اس گھنے جنگل میں تقریباً ۳۰ میل راستہ طے کر آئے تھے، لیکن اندھیرا سر پر آنے کے ساتھ ساتھ اس گھنے اور خوفناک جنگل میں درندوں کا خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ اب جنگلی پھلوں کے لمبی چٹاؤں والے فلک بوس درختوں کے بے ترتیب سلسلوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ زمین ناہموار تھی اور زمین گرفت جھاڑیاں یہاں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں کہ راستہ سمجھنا مشکل ہو رہا تھا۔ اندھیرا چھا گیا تو انھوں نے ٹارچز روشن کر لیں اور اس کی محدود روشنی کے سہارے آگے بڑھنے لگے۔

کارڈواس خوفناک جنگل کی ویران اور بھیانک رات سے خوف کھا رہا تھا، دور سے سنائی دیتی ہوئی شیروں کی ڈکاریں بار بار اس کا چہرہ فق کر دیتیں۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ چاق و چوبند چل

رہے تھے۔کسی پتے کی خفیف سی کھڑ کھڑاہٹ بھی انھیں اپنی طرف متوجہ کرلیتی اور وہ آپس میں پیٹھ جوڑ کر اپنی بندوقوں کا رخ چاروں طرف پھیر دیتے۔شام ہونے سے پہلے ہی ایک جگہ ٹھہر کر وہ چائے اور ہکا سا کھانا کھا چکے تھے،اس لیے تھکن کے ساتھ ساتھ انھیں نیند بھی محسوس ہونے لگی تھی۔ یہاں تک ان کی کلائیوں پر بندھی ہوئی گھڑیوں میں رات کے گیارہ بج گئے۔ بتدریج بڑھتے اندھیرے اور گزرتی رات کے ساتھ جنگلی جانوروں کی عجیب عجیب بولیوں سے گونجتا جارہا تھا،جن میں شیروں کی ڈکاریں اور دور کہیں دوڑتے ہوئے ہاتھیوں کی چنگھاڑ زیادہ نمایاں تھی۔آگے ایک ندی تھی جسے انگریزی میں مگر مچھ ندی (کروڈائل ریور) کہا جاتا تھا۔اس پر بنا ہوا رسیوں کا پل بہت خطرناک تھا۔ندی میں رات کے وقت بھی مچھلیوں کے تڑپنے اور مگر مچھوں کے کنارے سے دوڑ دوڑ کر پانی میں کودنے کا شور سنائی دے رہا تھا۔اس پل پر سے اگر ذرا بھی کسی کا پیر پھسل جاتا تو مگر مچھ اسے فوراً اپنا لقمہ بنا ڈالتا۔پل کو بڑے احتیاط اور آہستگی سے پار کرنا پڑا،لیکن یہاں ایک المیہ ہوگیا۔

پانچ افریقی جو سامان لادے ہوئے پیچھے آرہے تھے،جس وقت پل سے گزرنے لگے تو ان میں سے ایک کا پیر جھول گیا۔اس کے جھولنے سے بازو کی رسیاں بھی جھول گئیں اور وہ الٹ کر ندی میں جا گرا۔یہ بڑا دردناک منظر تھا۔کوئی بھی اس پل پر تیز دوڑ کر اس کی زندگی نہیں بچا سکا، یہاں تک کہ اس کی دردناک چیخیں بھی اس کے ساتھ ندی کی گہرائی میں ڈوب گئیں۔اسے مگر مچھ گھسیٹ لے گئے تھے۔اس واقع کا اثر خاں پر بہت ہوا، وہ اداس ہوگیا۔ تنویر اور بالے بھی سر جھکائے چلنے لگے۔پل کے اس پار وہ اوسط رفتار سے جنگلی جھاڑیوں کو عبور کرتے رہے۔راستے میں انھیں کئی طرح کے جانور بھی ملے۔

دوسرے افریقی بھی اپنے ساتھی کی اس دردناک موت پر اداس تھے۔اچانک خاں چلتے چلتے تھم گیا،اسے ابھی ابھی ایک دردناک زنانی چیخ سنائی دی تھی۔

''عورت کی چیخ،اس جنگل میں۔''بالے نے حیرت سے کہا۔اور وہ بغیر کچھ سوچے

سمجھے اس آواز کی طرف دوڑ پڑے۔ تنویر اور کارڈو دوسری طرف دوڑ رہے تھے اور خاں اور بالے دوسری طرف۔ تنویر کو کہیں قریب سے ہی شیر کی غراہٹ میں ملی جلی وہی چیخیں سنائی دیں۔

''ہے ہے، کسی صنفِ نازک پر حملہ بولا ہے سالے نے۔'' وہ بڑبڑایا اور دوسرے لمحے وہ جھاڑیوں کے پار ایک چھوٹے سے ٹیلے کے نشیب میں تھا۔ کارڈو اس کے پیچھے تھا۔ تنویر نے ٹارچ کی روشنی پھینکی تو ان کے سامنے تقریباً پچاس قدم دور ایک سفید جسم والی خوبصورت نوجوان عورت کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی اور ایک خونخوار ببر شیر گرج گرج کر اس پر حملہ کرنے کی خاطر پینترے بدل رہا تھا۔ اس کی خوفناک آنکھیں اندھیرے میں بری طرح چمک رہی تھیں۔ شیر نے جیسے ہی جست لگائی، تنویر کی بندوق کی نالی سے ایک شعلہ نکلا اور شیر اوپر اچھل کر پھر نیچے آگرا، وہ زخمی ہوگیا تھا اور اس کی ڈکاروں نے جنگل کر ہلانا شروع کر دیا۔

''برا ہوا، کہیں ان کی پوری پلٹن نہ آجائے ورنہ ہم سب کا صفایا ہے آج۔'' کارڈو نے کہا۔ تنویر نے اس کی سنے بغیر شیر پر اور قریب سے دوسرا فائر کر دیا۔ اب کی بار گولی اس کے سر پر پڑی اور وہ ڈھیر ہوگیا۔ خوف و بے اختیاری کے عالم میں وہ عورت دوڑ کر تنویر سے لپٹ گئی۔ وہ موت کو سامنے دیکھ کر بری طرح خوفزدہ ہوگئی تھی۔

''مادام، وہ درندہ مر چکا ہے، آپ ڈریے نہیں۔'' تنویر نے اسے انگریزی میں سمجھایا، تب اس نے خوفزدہ نظروں سے پلٹ کر شیر کو دیکھا۔

''دو... دو خونخوار شیر میرے باپ کو گھسیٹ لے گئے ہیں۔'' اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا اور تنویر کے کوٹ کے کالر میں منہ چھپا کر بلک کر رو پڑی۔

''صبر و ہمت سے کام لیجیے، ہم تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔'' تنویر نے اس کی تسلی کیلیے کہہ دیا، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اب تک وہ شیر اسے لقمہ بنا چکے ہوں گے۔

''آپ کے اور ساتھی نہیں تھے کیا؟'' تنویر نے پوچھا۔

''ہم راستہ بھول گئے، ہمارے ساتھ پانچ آدمی اور تھے، نہ جانے کس طرف نکل

گئے ہیں ۔" اس نے بتایا۔

"خیر، فکر نہ کیجیے، آپ ہمارے ساتھ آیے، وہ کہیں نہ کہیں مل ہی جائیں گے۔"

تنویر نے اسے بازو کا سہارا دے کر ساتھ لیا۔ کارڈو چپ چپ سا اس شیر کی لاش کو دیکھ رہا تھا۔ بول اٹھا۔

"یہاں سے جلدی نکل چلیے، ورنہ مصیبت آجائے گی اگر اور شیر آگئے۔" یہ کہہ کر بندوق تانے آگے بڑھنے لگا۔

اس کا نام مس ڈولی ممن تھا۔ اسے اس طرح بازو میں سہارا دے کر چلتے ہوئے تنویر کو اپنے تمام جسم میں ایک سنسنی دوڑتی محسوس ہوئی، لیکن وہ اسے چھوڑ بھی تو نہ سکتا تھا، کیونکہ اب تک مس ممن کا بدن خوف سے کانپ رہا تھا۔ شیر کے حملے سے ڈر کر بے تحاشا بھاگنے میں مس ممن کا سایہ کہیں الجھ کر تھوڑا سا پھٹ گیا تھا، جس سے اس کی ایک ٹانگ نصف سے زیادہ عریاں ہوگئی تھی۔ اس کی سفید سفید پنڈلیاں کارڈو کیلیے بھی کافی پرکشش تھیں، لیکن بہر حال وہ شریف لوگ تھے، انھوں نے اس طرح ویرانے میں مل جانے والی ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی کے قرب کو کسی غلط طریقے پر محسوس نہیں کیا۔ ٹیلے کے اس پار انھیں خان اور دوسرے ساتھی مل گئے۔ تنویر نے مس ممن کا خاں اور بالے سے تعارف کروایا اور خان نے بخوشی اسے اپنے اس مختصر قافلے کی پناہ میں لے لیا۔ ہر خوبصورت اور جوان لڑکی کو دیکھ کر بالے کی رال ٹپکنے لگتی تھی، لیکن اس دہشتناک مقام پر وہ بھی اس وقت کسی رومانی تخیل سے کھیلنے کو تیار نہ تھا۔ مس ممن نے انھیں بتایا کہ وہ، اس کا باپ اور اس کے پانچ ساتھی، جن میں مس ممن کا منگیتر بھی تھا، ٹرین کے حادثے کی وجہ سے کامالیک سے پیدل ہی اس جنگل کو پار کر رہے تھے۔ مس ممن کے باپ کے پاس کافی سونا تھا جو انھیں برٹش بچوانا میں ایک کان کی دریافت کے سلسلے میں بطور کمیشن یا معاوضہ ملا تھا۔ ممن کا منگیتر اس کے باپ کا ماتحت تھا۔ راہ میں ان تمام ساتھیوں کی نیت بدل گئی اور وہ ان دونوں کو رسیوں سے باندھ کر سونا لے کر چلے گئے۔ اس کے بعد کسی طرح بوڑھے مسٹر

فرینک نے خود کو آزاد کرلیا اور مس سمن کی بھی رسیاں کھول دیں۔ اور تب سے وہ دونوں جنگل میں بھٹک رہے تھے۔ اسی اثناء میں دو طرف سے شیروں نے ان پر حملہ کر دیا۔ باپ بیٹی کو بچانے کیلیے سامنے آ گیا اور اسے شیر گھسیٹ لے گئے۔ مس سمن کو تنویر نے بچا لیا۔

مس سمن کی اس داستان سے سب متاثر ہوئے، لیکن وہ تنویر کی بہت مشکور تھی۔ وہ جب اس کی طرف دیکھتی، اس کی آنکھوں میں محبت و ممنونیت کے جذبات چھلک اٹھتے۔ تنویر بھی اپنے دل میں اس کیلیے عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگا تھا اور یہ یہ ایک اتفاقیہ حادثہ تھا۔

اب یہ طے رہا کہ خاموشی کے ساتھ یہ رات اسی جنگل میں کسی موزوں جگہ گزار لی جائے، اس کیلیے ایک اونچا ٹیلہ منتخب کرلیا گیا، کس پر خشک و نیم خشک لکڑیوں کا الاؤ جلا دیا گیا۔ دورانِ سفر میں سامان برداری وغیرہ کیلیے خاں نے کاما لیک س تین افریقی اور ساتھ لے لیے تھے، اس طرح یہ مختصر قافلہ کل ۹ افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں سے بالے اور کارڈو پہلے بندوقیں لے کر پہرہ دینے بیٹھ گئے اور خاں اور تنویر نے ایک نیند لے لی، لیکن آس پاس گھومنے والے شیروں کی ڈکاروں نے انھیں نیند میں بھی مستعد رکھا۔ الاؤ کی روشنی کی وجہ سے شیر اور تیندوے جیسے درندے نزدیک نہیں آتے تھے، لیکن نصف شب کے قریب ایک ریچھ چپکے سے ان کے نزدیک آ گیا۔ بالے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور اس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے اس پر بندوق چلا دی۔ قریب کا نشانہ تھا، بے چارہ ریچھ وہیں ڈھیر ہو گیا اور بالے اس طرح مونڈی ہوئی مونچھوں پر تاؤ دینے لگا، جیسے اس نے شیر مارا ہو۔ دور جنگل کے کسی حصے سے جنگلی ہاتھیوں کی چنگھاڑیں سنائی دے رہی تھیں، لیکن بندوق چلنے کی آواز سے جنگلی بھیڑیوں اور شیروں کی آوازیں بھی فاصلے پر چلی گئیں۔ اب کی بار خاں اور تنویر، دو افریقیوں کے ساتھ پہرہ دینے بیٹھ گئے اور بالے کارڈو اور دوسرے افریقی سو گئے، مس سمن کو نیند نہیں آ رہی تھی، اس لیے وہ تنویر کے سرہانے ہی بیٹھی رہی۔ رات کو تقریباً تین بجے پھر شیروں کا کوئی جتھا اس طرف آ نکلا، وہ زور زور سے گرجنے لگا، سامنے کی جھاڑیوں سے چمکیلی زرد آنکھیں ہی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ مس

سمن نے چیخ ماردی، سوئے ہوئے لوگ پھر گھبرا کر اٹھ بیٹھے، لیکن افریقی ساتھی شاید انھیں بھگانے کے طریق کار سے واقف تھے، انھوں نے جلتی ہوئی لکڑیاں جھاڑیوں میں پھینک پھینک کر جو شور مچایا تو شیر بھاگ اٹھے۔ چار بجتے بجتے وہ سب اونگھ گئے۔ خاں کا ہاتھ بندوق کی لبلبی پر تھا، لیکن وہ بھی اونگھ گیا تھا۔ جانوروں کی آوازیں بھی مدھم پڑ چکی تھیں کہ اچانک کارڈو کی ایک دردناک چیخ سنائی دی۔ وہ سب چونک کر اٹھ بیٹھے۔ خان نے دوڑ کر ٹارچ کی روشنی میں دیکھا، کارڈو والاؤ کے اک طرف پڑا تڑپ رہا تھا اور اس کی پیٹھ میں ایک ۱۹ انچ لمبا ٹیڑھا سا خنجر پیوست تھا۔ کارڈو نے دو منٹ میں ہی دم توڑ دیا۔ کچھ سمجھ میں نہ آسکا کہ اس پر حملہ کس نے کیا ہے۔ خاں کو اسی وقت اپنے ساتھیوں کا خیال آگیا، انھیں شمار کیا گیا تو ایک افریقی کم تھا۔

''ضرور وہی مار کے بھاگا ہے۔'' خاں نے رائے دی۔ چنانچہ اسی وقت ان میں سے چار آدمیوں نے آس پاس کی تمام جھاڑیوں دیکھ ڈالیں اور اور مفرور افریقی کا کوئی سراغ نہ ملا۔ دوسرے افریقی قسمیں کھا رہے تھے کہ انھیں اس شخص کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ کامالیک پر ہی یہ پانچواں افریقی انھیں ملا تھا اور یہیں سے ان کا ساتھ ہوا تھا۔ خاں ان لوگوں کے بارے میں اور بھی طرح محتاط ہوگیا۔ کارڈو کی اس طرح کی موت نے سب کو آزردہ کر دیا۔ اتنے دنوں کے ساتھ کی وجہ سے سب ہی اس کی دلچسپ شخصیت کو پسند کرنے لگے تھے۔ اس کی پیٹھ میں بھونکے گئے خنجر کے ساتھ انھیں ایک پتلا سا جھلی نما کاغذ کا ٹکڑا ملا، جس پر لکھا تھا۔

''ہندوستانی چوہو، اب تم ہمارے قبضے میں ہو، ہم تمھیں اسی طرح مسل دیں گے۔''

نیچے کسی کا نام یا قبیلے کا نام نہ لکھا تھا، صرف ایک عجیب سا نشان بنا ہوا تھا۔ اس کی شکل ایسی تھی۔ خاں اس علامت کو سمجھ نہ سکا۔ ان دوسرے افریقیوں نے بھی اسے سمجھنے سے انکار کر دیا۔ البتہ ان میں سے ایک نے یہ ضرور بتایا کہ یہ یا تو کسی قبیلے کا نشان ہے، یا کسی مقام کا۔ اس سے زیادہ انھیں کچھ معلوم نہیں۔ بہر حال کارڈو کو وہیں پتھروں کے ایک ڈھیر میں دفن کرنے کے بعد صبح وہ

بہت محتاط اور چوکنے سے آگے روانہ ہو گئے ۔سفر اب بہت مخدوش ہو چکا تھا ۔ چلتے چلتے خان کو ایک بار وائرلیس سیٹ کا خیال آ گیا ۔

"بالے، شاید لیبو تو، یا کسی قریبی مقام پر یہاں سرکاری میسیج ریسونگ اسٹیشن ہو، کیوں نہ ایک کوشش کر لی جائے ۔"

بالے نے اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اپنا کمیونیکیشن سیٹ نکال لیا، جو اس کی پیٹھ پر سفری کٹ کے ساتھ بندھا ہوا تھا ۔وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور کمیونیکیشن سیٹ نکال کر اسے بچوانا لینڈ کے کسی بھی اسٹیشن سے ملانے کی کوشش کرنے لگا ۔پہلی تین کوششیں ناکام ہو گئیں لیکن چوتھی کوشش میں اس کا کنکیشن کسی میسیج ریسونگ اسٹیشن سے مل گیا ۔

"ہیلو ۔" ادھر سے جواب ملا ۔"میسیج ریسونگ اسٹیشن آؤٹ پوسٹ الا کمپالا سے بول رہے ہیں ۔" جواب میں خاں نے تمام صورتِ حال اس سے بیان کر دی اور یہ بھی کہ ہم لوگ اس وقت خطرے میں گھرے ہوئے ہیں، لیکن جب ادھر سے یہ کہا گیا کہ آپ لوگوں کو جنگل سے نکال لے آنے کیلیے ہم ہیلی کاپٹر بھیج رہے ہیں،تو خاں کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی ۔

ایک گھنٹے بعد ہی فضا میں گونج سی سنائی دی اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر ہیلی کاپٹر پرواز کرتا نظر آنے لگا ۔تنویر ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور سفید رومال سے اترنے کا اشارہ کرنے لگا ۔ ہیلی کاپٹر اسی ٹیلے پر آ کر اتر گیا ۔اس میں پر ویکٹوریٹ کا ایک سفید فام پولیس افسر بیٹھا ہوا تھا اور ایک ڈرائیور ۔نصف آدمی اسی وقت ہیلی کاپٹر سے کمپالا کیلیے روانہ ہو گئے اور شام ہونے سے پہلے پہلے باقی نصف بھی اسی کے ذریعے کمپالا پہنچ گئے ۔ یہاں باقاعدہ پولیس وغیرہ کا انتظام تھا ۔

خاں کو یہاں چوکی کے افسروں سے یہ جان کر حیرت بھی ہوئی اور حسرت بھی کہ صرف دو دن قبل اس چوکی سے ہاتھی دانت کے تاجر ایک بدمی شکاری کا قافلہ پانچ چھ آدمیوں

Akram Allahabadi

کے ساتھ لیہوتو تو کی طرف گیا ہے۔ یہ خاں کے اندازے کی تصدیق تھی۔ وہ بغیر کسی تاخیر کے لیہوتو کی طرف چل پڑنے کیلیے بے چین ہوگیا۔

مس سمن سے جب پوچھا گیا تو اس نے خاں اور تنویر کے ساتھ ہی لیہوتو جانے کا ارادہ ظاہر کیا، جس پر بہر حال کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا۔ دوسرے دن سویرے ہی یہاں سے انھیں اسٹیپس (گھاس کے میدانوں) کو عبور کرنے والی دوسری ٹرین مل گئی اور یہ لوگ صرف مس سمن کو ساتھ لیے لیہوتو تو کی طرف روانہ ہوگئے۔ انھیں اس ٹرین پر ۲۲ گھنٹے سفر کرنا پڑا اور وہ دوسرے دن صبح ساڑھے ۴ بجے ہی لیہوتو تو پہنچ گئے۔

☆☆☆☆☆☆

یہاں کے دوسرے علاقوں کی بہ نسبت لیہوتو تو خاصی ترقی یافتہ آبادی تھی۔ یہاں عمارتی لکڑی کے بڑے بڑے تاجروں کی فرمیں تھیں۔ ہاتھی دانت کا سامان تیار کرنے والے کارخانے تھے اور بچوانا لینڈ کے شمالی مغربی علاقے کے بڑے سرکاری دفاتر بھی لیہوتو تو میں تھے اور ان تمام خصوصیات کے ساتھ ہی یہ مقام سیاحوں کیلیے زیادہ پرکشش نہیں تھا اور جملہ حیثیت سے بچوانا لینڈ بھی دوسرے درجے کے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ لیہوتو تو میں انھوں نے ایک اینگلو افریقی ہوٹل میں عارضی قیام کیلیے دو روم لے لیے تھے۔ خاں، بالے کو لے کر لیہوتو تو کے حکام سے ملنے چلا گیا، کیونکہ یہاں سے آگے اسے اس خطرناک سرحد میں قدم رکھنا تھا، جہاں قدم رکھتے ہوئے بہادروں کے بھی جگر کانپتے تھے۔ یہاں سرکاری طور پر دمبالو کی طرف جانے کی ممانعت تھی۔ بغیر اجازات اور بغیر مقامی پولیس کی مدد کے یہ بہت مشکل تھا۔ تنویر سفر کی کسل رفع کرنے کیلیے ہوٹل میں ہی رہ گیا تھا۔ افریقی مزدوروں کا ان کا معاوضہ ادا کر کے چھٹی دے دی گئی تھی۔ مس سمن لیہوتو تو پہنچنے پر اس قدر تھکی ہوئی تھی کہ ہوٹل کے دوسرے کمرے میں جو پڑ کر سوئی تو دوپہر کو اٹھی۔ تنویر اب تک اس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ جس وقت وہ باتھ روم سے

نہا کر پیازی رنگ کا سایا پہنے اپنے سنہری مائل بال تولیے سے پونچھتی ہوئی نکلی، تو اس کا حسن قیامت خیز معلوم ہو رہا تھا۔ تنویر مبہوت ہو کر اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

''اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟'' اس نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''ایسا لگ رہا ہے جیسے چاند غسل خانے سے نکل آیا ہو۔''

''چاند غسل خانے سے بھی نکلتا ہے کہیں۔'' وہ بے اختیار ہنس پڑی اور اس کے موتیوں جیسے باریک سفید دانت چمکنے لگے۔

''کیا مصیبت ہے، آپ مجھے شاعری نہیں کرنے دیتیں۔ اچھا تو کیا کہوں، غسل غانے سے چاند نکل رہا ہے۔'' تنویر نے عجیب سا منہ بنا کر کہا۔

''آپ بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔'' وہ دوبارہ یہ کہہ کر ہنس پڑی۔

''سچ؟'' تنویر نے اس کے قریب ہو کر رومان بھرے لہجے میں پوچھا۔ وہ ایک دم سنجیدہ سا ہو گیا تھا۔ مس سمن نے صرف مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''مس سمن...'' تنویر کہتے کہتے رک گیا اور وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''برا تو نہ مانیے گا۔'' اس نے بیوقوفوں کی طرح کہا۔ مس سمن نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''مجھے... مجھے نہ جانے کیا ہو گیا ہے جب سے آپ ملی ہیں۔ بس ایسا لگ رہا ہے جیسے مجھے میری کھوئی ہوئی زندگی مل گئی ہے۔'' اس نے شدتِ جذبات کے ساتھ یہ جملے کہے۔

''آپ نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر میری جان بچائی ہے۔ میں آپ کو سب سے زیادہ پسند کرتی ہوں۔'' وہ سنجیدگی کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولی۔

''یہ تو آپ احسان گننے لگیں۔''

''نہیں، سچ کہہ رہی ہوں۔ آپ کیلیے میرے دل میں بہت جگہ ہے۔'' مس سمن نے اقبال کیا۔

Akram Allahabadi

''تو کیا آپ میری ہو سکتی ہیں؟'' تنویر نے جرأت کر کے سوال کر ڈالا۔

''کوشش کیجیے، شاید ہو جاؤں۔'' وہ مسکرا دی۔

''مس سمن۔'' تنویر نے محبت کی کشش سے مجبور ہو کر اسے اپنی باہوں میں تھام لیا۔

''آپ کیلیے صرف سمن۔'' وہ فرطِ جذبات سے گلوگیر آواز میں بولی۔ اور پھر وہ ایک دوسرے سے اس طرح ہم آغوش ہو گئے کہ پ ان کے دل کی دھڑکنیں بھی ہم آواز ہو گئیں۔

''کٹ کٹ کٹ۔'' دروازے کی طرف سے بالے کی آواز آئی۔ تنویر اور سمن چونک پڑے۔

''یہ کیا بیہودگی ہے؟'' تنویر بگڑ پڑا۔

''آہا، یہ ڈائلاگ نہیں ہے، اس میں صرف ہودگی فرماؤ، برخوردار۔''

''اچھا خیر، جاؤ بخشا تمہیں۔'' وہ یہ کہتا ہوا اپنا کیمرہ بند کر کے صوفے پر لاپرواہی سے بیٹھ گیا۔

''کیا بخشا ہے، حضور؟'' تنویر نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''حقِ آزادی، یعنی کہ محبت کرو خوش رہو، مسکراؤ اور مر جاؤ۔ اور مرنے کے بعد سیدھے جنت میں جاؤ۔'' وہ یہ کہہ کر جیب سے چاکلیٹ نکال کر چبانے لگا۔

''اوہ، تو یہ بات ہے۔'' تنویر نے ہاتھ مار کر اس کے سب چاکلیٹ چھین لیے۔ مس سمن کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ تنویر نے آدھے مس سمن کی طرف بڑھا دیے۔

''ابے او بے غیرت، اپنی محبوبہ کو میرے چاکلیٹ کھلاتا ہے۔'' بالے نے اردو میں کہا۔

''تمہاری بہن ہی تو ہے۔'' تنویر نے بھی اپنی زبان میں جواب دیا۔

''لاحول ولاقوۃ۔ کیا غیر سوشل نام لیا ہے، میں نے آج تک کسی لڑکی کو بہن نہیں

Akram Allahabadi

بنایا۔'' وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنے میں ہوٹل کا میز بان اندر آ پہنچا۔

''صاحب، آپ کو فون ہے۔'' اس نے بالے سے کہا اور بالے منہ بناتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

''اس کی باتوں کا خیال نہ کیجیے گا، یہ مسخرا ہے۔'' تنویر نے سمن سے کہا۔

''بڑے خوش مذاق ہیں آپ سب۔'' مس سمن نے سب پر تبصرہ کر ڈالا۔

بالے دو منٹ بعد ہی لوٹ آیا اور آتے ہی اپنا سوٹ کیس ڈھونڈتے ہوئے بولا۔

''لو بیٹے جرنلسٹ، آج ہی روانگی ہے دمبالو کی طرف، بھائی کو اجازت مل گئی ہے ٹیلفون پر حکم فرمایا ہے کہ تیار ہو جاؤ۔'' بالے نے کہا۔

''عجیب مصیبت ہے، ایک دن بھی چین نہیں۔'' تنویر جھنجلا اٹھا۔

''آدم خوروں کو اپنے کباب کھلا دو پہلے، پھر چین کی بنسری بجا لینا۔'' بالے نے جواب دیا۔

''کیا آپ لوگ آج ہی جا رہے ہیں؟'' مس سمن نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہاں، مس سمن، لیکن ہم جلد ہی لوٹ آئیں گے۔ میں آپ کو آپ کے بتائے ہوئے پتے پر آپ کے چچا کے گھر چھوڑ دیتا ہوں، واپسی پر میں سب سے پہلے آپ ہی کے پاس آؤں گا۔'' تنویر نے اداس لہجے میں اس سے کہا۔

''لیکن وہاں جا کر تو کوئی لوٹ کر نہیں آتا؟ دمبالو کے اس پار لوگ کہتے ہیں موت ہی موت ہے۔'' مس سمن نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

''ہم جانتے ہیں، لیکن ہمارا فرض ہمیں مجبور کر رہا ہے۔'' تنویر نے ہمت و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ مس سمن کے چہرے پر اداسی اور گہری ہو گئی۔ تنویر نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ ''ہم ضرور لوٹ آئیں گے، سمن۔ ہمارا مقصد نیک ہے۔ خدا ہماری مدد کرے گا۔'' اس نے کسی عیسائی پادری جیسے انداز میں اسے سمجھایا۔

Akram Allahabadi

اس کے بعد ایک گھنٹے کے اندر اندر تنویر مس سمن کو لیبوتو تو میں ہی سمور کا بیوپار کرنے والے اس کے چچا مسٹر براؤن کے سپرد کر آیا۔ انھوں نے ان کا بہت بہت شکریہ ادا کرنے کے ساتھ اسے واپسی پر اپنے یہاں قیام کی دعوت بھی دی۔ مس سمن کی طرف سے پولیس میں درج کدرائی جانے والی جنگل والی دھوکہ دہی کی رپورٹ اور اس کے باپ کی موت کی تصدیق پر اس نے بحیثیت گواہ دستخط بھی کر دیے اور جب وہپ واپس لوٹا تو خاں اور بالے بالکل تیار تھے۔ ان کے ساتھ لیبوتو تو کی پولیس کے دو سارجنٹ اور برین گنوں سے مسلح تین فوجیوں کے علاوہ پولیس دستے کے پانچ آدمی بھی تھے۔ لیبوتو تو کے حکام خود آدم خوروں کے وجود سے خوفزدہ تھے، اس لیے ان ہندوستانی پولیس افسروں کو اس قدر مستعد پا کر انھوں نے فوراً امداد کے احکامات جاری کر دیے۔ اس گروپ کے علاوہ ۳۰ افراد پر مشتمل مشین گنوں اور رائفلوں سے مسلح ملٹری اسکواڈ اور پولیس دستوں کو بھی تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا تھا، تا کہ اگر وائرلیس پر کال آئے تو وہ فوراً مدد کو دوڑ پڑیں۔ اس آپریشن کا انچارج خاں نے فوجی اسکواڈ کیپٹن کمانڈر ہیریسن کو مقرر کرایا تھا اور بالے کو آپریشن لیڈر بنا کر ان کے ساتھ چھوڑ کر خاں اپنی پارٹی لے کر شام ہونے سے پہلے پہلے کوہ دمبالو کے دامن میں پہنچ گیا۔ یہاں آبادی کا نام ونشان نہ تھا، ہر طرف بھیانک ویرانی برستی تھی۔ پہاڑ پر چڑھ کر دوسری طرف اترنے کیلیے پارٹی کو چھ چھ آدمیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک کے ساتھ تنویر تھا، دوسرے کا لیڈر خان۔ دمبالو کے اوپر پہنچنے میں انھیں دشواری نہیں پیش آئی، لیکن اس وقت تک یہاں اندھیرا چھا گیا تھا۔ یہاں سے پیچھے حدِ نظر تک پھیلے ہوئے جنگل اور میدان بالکل ویران نظر آتے تھے۔ اس طرف یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ کسی انسان کا وجود ہو سکتا ہے۔ یہاں سے ہی آدم خوروں کے خطرناک علاقے کی سرحد شروع ہوتی تھی اور پروٹیکٹیو ریٹ کی حکومت اس وجہ سے آج تک اس درندہ خصلت قبیلے کو ختم نہ کر سکی تھی کہ ہر حملے کے وقت وہ اس طرح غائب ہو جاتے تھے، جیسے ان کا وجود ہی نہیں۔ ویسے بھی کیونکہ انھوں نے دمبالو کے اس پار جانا چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے پھر ان پر

زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ دن کے اوقات میں ان کا نظر آنا ناممکن تھا۔ خان اپنا کام پہلے سے مکمل کر آیا تھا۔ جیسے جیسے رات ہوتی گئی، وہ پہاڑ سے نیچے اتر کر گھنے جنگل میں داخل ہوتے گئے۔ تنویر والی پارٹی بھی ان سے آملی۔ بالآخر وہ ایک مضبوط ٹیلے پر پہنچ گئے جہاں سے وہ چاروں طرف وار کر سکیں۔ وہ اپنے ساتھ ایک گدھا پکڑ لائے تھے، جس کا منہ انھوں نے تسمے سے بند کر دیا تھا۔ خان اپنے ساتھ ایک گراموفون مشین بھی لایا تھا، جو پروگرام کے مطابق گدھے کی پیٹھ پر کس دی گئی اور اس پر ریکارڈ چڑھا دیے گئے۔ یہ ریڈیو آپریٹڈ گراموفون کی طرح آپ سے آپ ریکارڈ بدل دیا کرتی تھی۔ ان ریکارڈوں میں گھنے جنگل سے گزرتے ہوئے چند آدمیوں کی گفتگو بھری گئی تھی۔ چنانچہ رات گئے گیارہ بجے وہ گدھا جنگل میں آگے کی طرف بھگا دیا گیا اور ریکارڈ پر سوئی چڑھا دی گئی تھی۔ جیسے جیسے ریکارڈ بجتے تھے، گدھے کی رفتار اور تیز ہو جاتی۔ یہ لوگ کافی فاصلے سے بہت محتاط ہو کر اس آواز کا پیچھا کر رہے تھے گدھا جنگل میں گھستا چلا گیا اور اس کے تعاقب میں یہ لوگ بھی چلتے رہے۔ یہاں تک کہ انھیں آگے دور کی جھاڑیوں میں کچھ سرسراہٹ سنائی دینے لگی۔ آس پاس سے جنگلی جانوروں کی آوازیں آ رہی تھیں، لیکن سوائے شیر کے اور کسی کی ہمت نہ ہو سکتی تھی کہ دو سے زیادہ آدمیوں کی آواز سن کر قریب آ سکے، یا پھر کالا چیتا۔ مگر شیر کی ڈکار اب تک سنائی نہیں دی تھی۔ یہ بہر حال ان لوگوں کی ایک چال تھی، جس کیہ کامیابی پر آدم خوروں کی جائے پناہ کا پتہ ملنا ممکن تھا۔ اچانک ریکارڈ کی آواز معدوم ہو گئی۔ یہ لوگ تیز تیز آگے کی طرف رینگنے لگے۔ اتنے میں خان نے کچھ آگے ایک جھاڑی میں کسی کے دوڑنے کی آواز سنی۔ اس نے فوراً ٹارچ کی روشنی اس پر پھینک دی، لیکن اس کے بعض ساتھی یہ دیکھ کر ہنس پڑے کہ وہ کوئی لومڑی تھی۔ کافی دور جا کر انھیں ان کا گدھا مل گیا۔ وہ مرا ہوا تھا۔ ایک ۱۹ انچ لمبا سنان والا برچھا اس کے پیٹ میں اندر تک گھس گیا تھا۔

شکر ہے کہ اس پر کسی جانور نے حملہ نہیں کیا، وہ ضرور قریب ہی ہوں گے کہیں، صرف دو آدمی ہیں، زیادہ ہوتے تو برچھے بھی زیادہ مارتے۔ میں نے ان کے بارے میں پڑھا

ہے کہ یہ سب مل کر کسی چیز پر ایک ساتھ حملہ کیا کرتے ہیں۔'' خان نے بتایا اور اس کے ساتھ نارچوں کی روشنی میں جھاڑی جھاڑی تلاش کی جانے لگی۔

خان اپنی نارچ کی مدد سے گدھے کی لاش کے آس پاس کی زمین کو دیکھنے لگا۔ یکا یک وہ چونک پڑا۔ گدھے کے جسم سے جو خون بہہ کر زمین پر دور تک پھیلا تھا، اس کے ایک تھکلے پر کسی کے قدم کا نشان بنا تھا۔ انسانی قدم تھا اور کافی بڑا، اس کی انگلیاں پھیلی پھیلی سی تھیں۔ اس قدم کے نیچے کے ڈرکشن میں وہ نارچ لے کر آگے بڑھنے لگا۔ کچھ دور پر پھر اسے مٹا مٹا سا قدم کا نشان دکھائی دیا۔ وہ ان نشانات پر ہی چلتا گیا۔ تھوڑی تھوڑی دور پر اس نامعلوم آدمی کے قدموں کے نشانات ملتے گئے۔ وہ دل میں خوش تھا کہ اس کا طریقہ کامیاب رہا اور اسی دھن میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ اسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ اس کے ساتھی کس قدر اور کہاں پیچھے رہ گئے ہیں۔ اچانک اسے اپنے پیچھے کچھ سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ وہ ایک دم چونک کر تیزی سے گھوم پڑا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرے اسے اپنے سر پر ایک زور کی ضرب لگی۔ وہ تیورا کر گر پڑا۔ بے ہوش ہوتے ہوتے اس نے سنا جھاڑیاں کچھ عجیب ہے، مگر وہ قہقہوں سے گر رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

جسم سے نزدیک آگ کی تپش محسوس کر کے اس نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔ اف، اسے ایک بار پھر آنکھیں بھینچ لینی پڑیں۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ وہ کسی جھاڑی میں پڑا تھا اور تین خوفناک شکلیں اس پر جھکی ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھیں بھوکے بھیڑیے سے زیادہ چمکدار اور خوفناک تھیں، ان کے چہرے اور جسم بالکل سیاہ تھے۔ ان کی ناکوں کے نیچے مونچھیں نہیں، بلکہ عجیب طرح کی دو نوکدار بتیاں لگی ہوئی تھیں۔ وہ صرف ایک لنگوٹ نما پٹہ باندھے ہوئے تھے، ورنہ ویسے وہ بالکل ننگے تھے۔ وہ قوی ہیکل اور خوفناک معلوم ہو رہے تھے،

لیکن ان سے زیادہ اس اندھیری رات میں ان کے سیاہ چہروں پر چمکتی ہوئی زرد آنکھیں بھیانک معلوم ہوتی تھیں۔خان کا خون رگوں میں منجمد ہونے لگا۔اس نے محسوس کیا کہ اس کے دونوں ہاتھ علیٰحدہ علیٰحدہ وطرف دو درختوں کے تنوں سے بندھے ہوئے ہیں اور پیر بھی باندھ دیے گئے تھے۔وہ تینوں اس کے اوپر جھک گئے۔ان کے مکروہ چہروں اور چمکتے ہوئے سفید دانت دیکھ کر وہ لرز گیا۔عام آدمیوں سے ان کے دانت بڑے تھے۔خان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔یہ تصور آتے ہی کہ یہ میرا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے اور جان کے اوپر جھکے ہوئے وہ واقعی اسے للچائی ہوئی نظروں سے گھور رہے تھے۔ان کے منہ سے رال بھی بہہ نکلی تھی۔

''اوہ خدا۔'' یہ کہہ کر خان نے شدتِ احساس سے آنکھیں بھینچ لیں۔اس دردناک موت کا تصور بھی کتنا بھیانک تھا۔

''سی سی سی...ای ای ای...ہی ہی ہی...'' وہ خوفناک ہنسی ہنسنے لگے۔اور ان میں سے ایک نے خان کے کوٹ کے کالر دو طرف پھینک کر اس کی قمیص اور بنیان کو بیچ سے پھاڑ دیا۔اس کا جسم سینے سے پیٹ تک کھل گیا اور ایک آدم خور اس پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگا۔

''یا اللہ، رحم کر۔'' خان جیسا آدمی بھی دعائیں مانگنے لگا۔

سی سی سی...ہی ہی ہی...'' پھر وہی مکروہ ہنسی سنائی دی اور جیسے کسی نے خان کی جان نکال لی۔وہ تلملا کر پوری قوت سے چیخ اٹھا۔ان میں سے ایک درندے نے اس کی ایک جانگ کا گوشت چمکدار کھانڈ لیے کاٹ لیا تھا۔خون اس کے کٹے ہوئے حصے سے اس طرح بہہ پڑا جیسے کوئی سرخ پانی سے بھرا برتن پھوٹ گیا ہو۔خان کا ہی دم تھا کہ وہ اس تکلیف کو برداشت کر کے پوری قوت سے چیخنے لگا۔اس کی چیخ میں ان کی مکروہ ہنسی شامل تھی اور خان کے چہرے پر موت سے ہمکنار ہونے والے آدمی کی بے بسی کی سی کیفیت رقص کر رہی تھی۔اس کے جسم سے بہتا ہوا خون وہ انگلیوں پر چپڑ چپڑ کر چاٹ رہے تھے۔خان کے ہوش وحواس جواب دینے

Akram Allahabadi

لگے۔اس کیلیے یہ تکلیف نا قابلِ برداشت ہوگئی اور وہ یہ دیکھ کر اور بھی زرد ہوگیا کہ ابھی اور بھوکی چمکیلی آنکھیں اسے سامنے والی جھاڑی کی اوٹ سے گھور رہی تھیں۔شاید وہ بعد کو حصہ لگانے والے ہوں گے۔

اس کی آنکھیں بند ہونے ہی ولای تھیں کہ اچانک بندوق کے فائر گونجنے لگے۔ مسلسل فائرنگ سے چونک کر وہ آدم خور اٹھ کھڑے ہوئے۔خان کی ران کا کٹا گوشت ان میں سے جس کے ہاتھ میں تھا، وہ اچک کر بھاگ نکلا اور باقی اس کے پیچھے دوڑ کر جھاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ایک بار پھر قریب سے فائر ہوا اور دوسری جھاڑی سے ایک چیخ سنائی دی، پھر بہت سے دوڑتے قدموں کی چاپ قریب آ گئی۔ یہ تنویر اور باقی ساتھی تھے۔خان کو جلد ہی ہوش آ گیا۔اس نے دیکھا کہ تنویر اور انگریز، کہ اسے اپنی تکلیف کی مطلق پرواہ نہ تھی۔

اتنے میں دور کہیں دھماکہ ہوا اور سب چونک پڑے۔ یہ جنگلیوں کے بھاری ڈرم کی آواز تھی اور اس کے ساتھ ہی کئی سمتوں سے ایسی آوازیں آنے لگیں۔

''وہ لوگ فرار ہو رہے ہیں۔کئی سال پہلے اسی طرح پولیس نے یہاں گھیرا ڈالا تھا، تو یہ بچ کر نکل گئے تھے۔ان ڈرموں کی آواز کے ساتھ یہ یہ اس طرح غائب ہو جاتے ہیں کہ پھر ان کا پتہ لگانا ناممکن ہو جاتا ہے۔'' انگریز سارجنٹ نے بتایا۔

''کچھ بھی ہو، ہمیں بڑھے چلنا چاہیے۔'' خان نے ہدایت کی۔سارا جنگل بھاری نقاروں کی آواز سے گونج رہا تھا اور یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آوازیں کس کس سمت سے آ رہی ہیں۔اتنے میں بالے کا کمیونیکشن آیا کہ ہم لوگ اس پار آ گئے ہیں۔خان نے ہدایت کی کہ بڑھے چلے آؤ اور وہ خود اپنے ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھتا رہا۔وہ جس قدر آگے بڑھتے، جنگل اور گھنا اور خوفناک ہوتا چلا جاتا تھا۔رفتہ رفتہ ان نقاروں کی آواز معدوم ہونے لگی اور پھر بالکل معدوم ہوگئی۔خان اس وقت بھی زمین گھورتا چل رہا تھا، جیسا گدھے کے خون پر چلا تھا۔وہ چونک پڑا۔

Akram Allahabadi

''بس اس طرف بڑھے چلو، لیکن گرد و پیش سے ہوشیار رہنا۔'' اس نے ساتھیوں کو ہدایت کی اور پھر زمین پر پیر کے نشانات تلاش کرتا چلنے لگا۔

یہ نشانات تقریباً ایک میل تک انھیں ملتے گئے اور ایک ایسی جگہ، کسی قدر کھلی جگہ، میں پہنچ کر ختم ہو گئے تھے۔ یہاں سامنے ایک بڑا سا ٹیکری تھا، جس کی اونچائی تقریباً ۲۰۰ فٹ ہوگی۔ اس کے نچلے حصے میں دراڑیں پڑ گئی تھیں، جو بالکل تاریک تھیں۔ خان آس پاس کی جگہوں کو غور سے دیکھ ڈالنے کے بعد جب اس ٹیکرے کے دامن میں زمین پر نشانات ڈھونڈتا ہوا آیا تو ایک دراڑ کے پاس آ کر ٹھٹک گیا۔ یہاں پتھر کی ایک چٹان پر جو دراڑ کو ڈھانکے ہوئے تھی، بالکل ایسا ہی نشان بنا تھا، جیسے جنگل میں کارڈو کے قتل پر۔ جھلّی نما شے پر لکھی ہوئی عبارت کے ساتھ ساتھ ملا تھا۔ اسے پہچاننے میں ذرا دقت نہ ہوئی۔

''اس چٹان کو یہاں سے ہٹاؤ۔'' اس نے ساتھیوں کو ہدایت کی اور فوراً ان سب نے مل کر اس چٹان کو اپنی جگہ سے کھسکا دیا۔ نیچے سے وہ دراز اور کافی چوڑی تھی۔ اس میں بیک وقت دو آدمی بآسانی داخل ہو سکتے تھے۔ خان نے جیب سے ایک بلند پرواز آفتابی نکالی اور اس کی بارود والی راڈ میں آگ لگا کر ہاتھ فضا میں بلند کر دیا بارود تک آگ پہنچتے ہی وہ اس کے ہاتھ سے سٹک کر آسمان میں اڑ گئی۔ یہ ان کا سگنل تھا۔ ایک ہی منٹ بعد اندازاً دو تین میل دور جنگل کے پچھلے حصے سے ایسا ہی جواب ملا۔

''ٹھیک ہے، وہ آ رہے ہیں، اسی طرف۔'' یہ کہہ کر وہ ٹارچ روشن کیے اس دراڑ میں گھس گیا۔ اس کے ساتھی پیچھے آ رہے تھے۔ شروع میں یہ دراڑ کافی تنگ تھی، لیکن آگے چل کر پھیلتی چلی گئی، حتیٰ کہ ایک جگہ انھیں کھلی ہوا محسوس ہونے لگی۔ وہ تقریباً نصف فرلانگ چل کر آئے تھے اور یہ مقام کوئی کھلا ہوا دروازہ معلوم ہوتا تھا۔ انھیں سامنے ایک میدان نما خطہ دکھائی دیا، جس میں آگ کا ایک الاؤ جل رہا تھا۔

''یہ جگہ ہم نے خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔'' انگریز سارجنٹ نے بتایا۔

''اب دیکھ لیجیے۔'' خان مسکرایا۔ لیکن دوسرے لمحے وہ کسی کی چیخیں سن کر سنجیدہ ہو گئے۔ اس الاؤ کے گرد بہت سے آدم خور بیٹھے ہڈیاں نچوڑ رہے تھے۔ وہ تعداد میں گیارہ، یا بارہ تھے۔

''معلوم ہوتا ہے باقی فرار ہو گئے ہیں۔'' خان بولا۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ رینگنے لگے۔ الاؤ سے کچھ دور ایک لکڑی کے زمین میں گڑے ہوئے کھمبے سے کوئی آدمی بندھا ہوا تھا، جس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا اور الاؤ کے نزدیک ہی اور انسانوں کی نچی ہوئی لاشیں پڑی ہوئی تھیں، جن کے بعض اعضا ہی ان کے جسم سے الگ ہو چکے تھے۔

''اف، کمینے، کتے۔'' خان سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے ایک سارجنٹ سے مشین گن چھین لی اور جیسے ہی ان آدم خوروں میں سے ایک اس اس بندھے ہوئے آدمیک کی طرف چمکتی ہوی چری لے کر لپکا، خان کی مشین گن آگ اگلنے لگی۔ وہ سب چونک اٹھے اور بے تحاشا بھاگنے لگے، لیکن ایک ہی جھٹ میں ان کی لاشیں اسی میدان میں گر کر تڑپنے لگیں۔ خان نے دوڑ کر اس آدمی کو لکڑی کے کھمبے سے کھولا، وہ نیم بیہوش تھا۔ خان اس کی شکل دیکھتے ہی چونک پڑا۔

''لارڈ ٹیکاما۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

''ہاں... انھیں مار ڈالو... یہ میرے بیٹے کو بھی کھا گئے، ان کے سردار کا بیٹا تھا وہ... مگر انھوں نے تسلیم نہیں کیا۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

''اسے سنبھالو، یہ سب سے بڑا مجرم ہے۔'' خان نے ایک سارجنٹ کو ہدایت کی۔ ٹیکاما کے منہ پر چھینٹے دینے اور زخم کا خون بند کرنے سے اسے تھوڑا سا ہوش آ گیا۔

''یہ درندے کہاں گئے ہیں؟ بتاؤ جلدی، ورنہ میں تمہاری بوٹیاں کر دوں گا۔'' خان نے ٹیکاما کو جھنجوڑا۔

''وہ... وہ... غار میں... غار میں ہوں گے... ندی کے پار۔'' یہ کہہ کر وہ پھر بے ہوش

ہوگیا۔

☆☆☆☆☆☆

خان ساتھیوں کو لے کر آگے دوڑ پڑا۔ یہاں سے تقریباً ایک میل دور گنجان جھاڑیوں کے درمیان ایک ندی بہہ رہی تھی ۔ یہ زیادہ گہری نہ تھی، اس لیے پار کرنے میں انھیں کوئی دقت نہیں ہوئی ۔ یہاں خان نے پھر بالے کو سگنل دے دیا اور وائرلیس پر اسے ندی تک پہنچنے کا راستہ بھی بتا دیا۔ ندی کو عبور کرنے کے بعد ناہموار پلیٹو تھے ۔ اور ان کے بعد پھر گھنی گھنی جھاڑیاں ۔ ان جھاڑیوں کے بعد کئی چٹانیں دڑکی ہوئی تھیں، جیسے کسی زمانے میں اِدھر کوئی زلزلہ آیا ہو۔ یہاں بہت سے تاریک غار تھے، جن کے دہانوں پر ٹھہر ٹھہر کر وہ گن سن لیتے رہے ، لیکن ایک بار جب وہ ایک غار کے دہانے پر کھڑے آگے چلنے کیلیے سوچ ہی رہے تھے کہ ایک سپاہی کی چیخ نے انھیں اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ وہ چیخ مار کر اوندھا گر پڑا۔ ایک ویسا ہی تیر اس کی بیٹھ میں پیوست تھا اور اس کے بعد ان پر تیروں کی بوچھاڑ ہوگئی ۔ اندھیرے میں وہ انھیں ٹھیک سے دیکھ بھی نہ سکے ۔ خان کی آواز سنائی دی۔

"جلدی سے ڈھلک کر چٹانوں کی آڑ لے لو۔" اور اس کے ساتھ وہ ادھر ادھر لڑھک کر چٹانوں کی اوٹ میں ہوئے ۔ اب پولیس نے اندھا دھند گولی چلانی شروع کردی۔ وہ ان تیروں کی سمت کے اندازے پر گولی چلا رہے تھے کہ اچانک ایک غلغلہ بلند ہوا اور آس پاس کی جھاڑیوں سے آدم خور باہر نکل پڑے ۔ وہ تین چار سو کی تعداد میں تھے ۔ وہ سب سیاہ تھے اور ان کی خوفناک زرد آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"وہ ان ہی چٹانوں کی طرف آرہے ہیں، تم سب یہاں سے کھسک کر سائڈ والے گڑھے میں چھپ جاؤ، میں اونچی چٹان سے مشین گن سے ان کی خبر لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے اس چٹان کی اوٹ سے نکلا، لیکن باہر آتے ہی ایک تیر سنسناتا ہوا آکر اس کے بازو

میں لگا، وہ شدتِ درد سے کراہ اٹھا، لیکن زمین پر گر کر کھسکتا ہوا وہ کھسکتا ہوا کسی طرح اس اونچی چٹان تک پہنچ ہی گیا، جہاں سے اس نے بے تحاشہ مشین گن کی گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ آدم خور مچھلیوں کی طرح گر گر کر تڑپنے لگے۔ ان میں سے تقریباً دو سو پلٹ کر ندی کی طرف بھاگنے لگے۔ سو پچاس وہیں ڈھیر ہو گئے۔ خان اور اس کے باقی ماندہ ساتھی ان کا پیچھا کر رہے تھے کہ ندی کی طرف سے بھی فائرنگ کی آواز گونج اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے آدم خوروں کے بھاگتے قدم رک گئے۔ وہ تلے اوپر مجروح ہو کر گرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان میں سے کچھ بغیر گولی کھائے ہی موت کے ڈر سے ہی زمین پر گر پڑے۔ انھیں دو طرف سے پولیس نے گھیر لیا اور حسنِ اتفاق سے اس وقت تک بادلوں کے چھٹ جانے کی وجہ سے چاند نکل آیا تھا، اس لیے پولیس کو اور بھی مدد مل گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

آخری انکشاف

دوسرے آدم خوروں کے خاتمے اور ہندوستانی پولیس افسروں کے اس عظیم الشان کارنامے نے پروٹیکٹوریٹ سے لے کر یونین تک دھوم مچادی۔اور جب یہ خبریں سمندر پار کے ملکوں کو گئیں تو خان کا نام ایک ایک کی زبان پر آ گیا۔آدم خوروں کے وجود کا انکشاف اور ان کو ختم کرنے کا واقعہ خان کی زندگی میں سب سے شاندار ریکارڈ تھا۔اسے تیسرے دن سویرے سویرے ہی پریس رپورٹروں نے آ کر گھیر لیا اور انھیں سمجھاتے سمجھاتے تنگ آ گیا۔تیسرے دن برٹش ملٹری اسپتال کے سرجن فیچر ویڈ نے اسے اطلاع دی کہ ٹیکا مابڑی مشکل سے اتنی دیر میں ہوش میں لایا جا سکتا ہے کہ آپ اس کا کوئی بیان لے سکیں، ورنہ اس کے بچنے کی اب کوئی امید نہیں۔چنانچہ خان کچھ مقامی پولیس افسروں کی معیت میں اسپتال پہنچ گیا۔ٹیکا ما کے نتھنوں سے پھیپھڑوں کو آکسیجن دی گئی تھی۔اس نے ڈاکٹر کے انجکشن پر بڑی مشکل سے آنکھیں کھولیں۔خان کے سوالات پر صرف اتنا بتا سکا کہ وہ آدم خور قبیلے کا سردار تھا۔نومان، جس کا اصلی نام سگاروتھا، اس کا بیٹا تھا جو ایک انگریز خاتون سے پیدا ہوا تھا اور ٹیکا ما کی جلاوطنی کے ساتھ ساتھ ایک کرنل اسے خود تربیت دینے کیلیے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔اس نے اسے آکسفورڈ میں تعلیم دلائی تھی اور اس کا نام نومین رکھوایا تھا۔لیکن ہندوستان میں اس کرنل کے وفات ہوجانے پر وہ وہیں ملازم ہوگیا۔اس نے اپنا نام بدل کر ہندوستانی کرلیا۔ٹیکا ما نے بتایا کہ میرے بیٹے نے مجھے ہندوستان سے چٹھی لکھی تھی کہ 'اس نے ایک تاریخی خزانے کی لالچ میں ایک خون کر دیا ہے اور پولیس اس کی تلاش میں ہے، اس لیے میں اسے کسی محفوظ مقام پر منتقل کروں'۔اس کیے میں نے اپنے خاص آدمی اور بگوری قبیلے کے سردار کو ہاتھی دانت کے سوداگر کے روپ میں ہندوستان بھیج دیا، جو وہاں سے سگاروں کے بحفاظت ڈربن پہنچنے کا

انتظام کر کے ایک مفید ڈاکٹر کی حیثیت سے ڈربن واپس آیا۔ سگارو کے ڈربن آ جانے میں میں نے جوش میں آ کر اپنے بیٹے کی دعوت اپنی محبوبہ کے گوشت کے کبابوں سے کی اور وہیں سے یونین پولیس بھی ہمارے پیچھے پڑ گئی۔ میرا دوست اور میرا بیٹا مہذب بن جانے پر بھی اپنی فطرت نہ بدل سکتے تھے۔ انسان کا گوشت ہمارے لیے دنیا کی ہر چیز سے مزیدار ہوتا تھا۔ اسی لیے ہم سے یہ حرکت سرزد ہو جاتی۔ تیسرے انجکشن پر ٹیکاما نے بتایا کہ جس وقت سگارو قبیلے میں واپس آ گیا تو قبیلے والوں نے اسے میرا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا، کیونکہ وہ بالکل بدل چکا تھا۔ وہ لوگ مدت سے انسان کے گوشت کے بھوکے تھے، اس لیے وہ میرے چیخنے پیٹنے کے باوجود سگارو کو مار کر کھا گئے۔ میرے دوست نے جو ہاتھی دانت کا سوداگر بن کر یہاں آیا تھا، جب سگارو کو بچانے کی کوشش کی تو اس کے ساتھ بھی ان لوگوں نے یہی کیا اور اس رات جب پولیس نے چاروں طرف سے حملہ کیا تو میرے قبیلے والے اسے میری ہی غداری سمجھ کر مجھ پر بھی بگڑ گئے اور مجھ سے بھی وہی سلوک شروع کر دیا تھا۔

یہ تھا لارڈ ٹیکاما کا پورا بیان، جس کے بعد اب کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں رہ جاتی تھی۔ اور ویسے بھی وہ صرف پانچ منٹ اور جی سکا، اس کے بعد اس نے دم توڑ دیا۔ باقی آدم خوروں کو پریٹیکوریٹ کی بڑی عدالت نے سزائے موت کا حکم دیا تھا۔

اور جس وقت تنویر وعدے کے مطابق مس ممن کے گھر مہمان بنا ہوا اپنی زندگی کا پہلا حسین ترین رومانی ہفتہ گزار رہا تھا، خان اتنی طویل جد وجہد کی کسل دور کرنے کیلیے مقامی پولیس افسروں کی طرف دی گئی دعوت پر یہاں کے مشہور آبشار "بلیوہیون" کی سیر کرتا پھر رہا تھا۔ اور بالے اس کے ساتھ محض اس لیے بور ہو رہا تھا کہ کوئی سفید فام لڑکی اسے منہ نہ لگاتی تھی اور سیاہ فام لڑکیوں کو دیکھ کر اس کا خود تے کرنے کو جی چاہتا تھا۔

اور ایک ہفتے کے بعد ہندوستان کے یہ دو پولیس افسر اور ایک سنسنی خیز جرنلسٹ اپنی سفید فام محبوبہ کے ہمراہ ایس ایس عالمگیر سے ہندوستان واپس لوٹ رہے تھے، جس پر انھوں

Akram Allahabadi

نے اپنی زندگی کے ایک اہم کارنامے کا آغاز دیکھا تھا۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi